۵ قسمت بیگ

سلام بن رزّاق

پہلی بات : ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں کی لڑائی کو 'جنگِ آزادی' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کی کمان دلّی کے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے ہاتھ میں تھی۔ جنگ میں ہندوستانیوں کو شکست ہوئی اور بہادر شاہ ظفر کو قید کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ اس شکست کے بعد شاہی خاندان کا شیرازہ بکھر گیا۔ قسمت بیگ شاہی خاندان کا ایک فرد ہے۔ اس سبق میں اس کی زندگی کے نشیب وفراز کو ڈرامے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ ذیل کا ڈراما 'قسمت بیگ' خواجہ حسن نظامی کے مضمون 'خانساماں شہزادہ' پر مبنی ایک ریڈیو ڈراما ہے۔

جان پہچان : سلام بن رزّاق اُردو کے ایک ممتاز ادیب ہیں۔ وہ ۱۵ر نومبر ۱۹۴۱ء کو پنویل (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ وہیں انھوں نے تعلیم حاصل کی اور روزگار کے سلسلے میں ممبئی آ کر بس گئے۔ پینتیس سالہ تدریسی خدمات کے بعد ۱۹۹۹ء میں وہ ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ اُردو دنیا میں وہ ایک منفرد اور معتبر افسانہ نگار کی حیثیت سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ اُن کے افسانوں کے چار مجموعے شائع ہو چکے ہیں: 'ننگی دوپہر کا سپاہی، معبر، شکستہ بتوں کے درمیان' اور 'زندگی افسانہ نہیں'۔ ان میں 'شکستہ بتوں کے درمیان' پر ۲۰۰۴ء میں انھیں ساہتیہ اکیڈمی کے انعام سے سرفراز کیا گیا۔ انھوں نے کئی مراٹھی اور ہندی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ وہ ساہتیہ اکیڈمی کے ترجمہ ایوارڈ سے بھی نوازے جا چکے ہیں۔ انھیں ڈراما نگاری اور بچوں کے ادب سے بھی دلچسپی ہے۔

ڈراما وہ فن ہے جس میں ایک پلاٹ اور قصہ ہوتا ہے جو کرداروں، مکالموں اور اداکاری کے ذریعے حاضرین کے روبرو عملی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ڈرامے نے اب کافی ترقی کر لی ہے یعنی اسٹیج ڈرامے کے علاوہ نکڑ ڈرامے، ریڈیو ڈرامے اور ٹیلی ویژن ڈرامے کی بھی ایک مستحکم روایت بن چکی ہے۔ ڈرامے کی یہ روایت سیکڑوں سال پرانی ہے مگر ریڈیو ڈرامے کی عمر ایک صدی سے زیادہ نہیں۔ فن، تکنیک اور پیش کش کے لحاظ سے ریڈیو ڈراما اسٹیج ڈرامے سے مختلف ہوتا ہے البتہ اسٹیج ڈرامے کی طرح ریڈیو ڈرامے میں بھی کہانی، پلاٹ، کردار اور مکالمے کا عمل دخل ہوتا ہے۔ ریڈیو ڈرامے میں مکالموں کی خاص اہمیت ہے۔ کرداروں کی تعمیر، مناظر کی عکاسی، کرداروں کی حرکات وسکنات سبھی کچھ مکالموں کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے مکالموں کے اُتار چڑھاؤ کے ذریعے سامعین کے ذہن ودل پر ایسی خیالی تصویریں اُبھاری جاتی ہیں جو عام تصویروں سے کہیں زیادہ پُر اثر ہوتی ہیں۔ ریڈیو ڈرامے میں موسیقی کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ سازوں اور آوازوں کے ذریعے مختلف کیفیات کا سماں باندھتے ہیں مثلاً جھرنوں کی آواز، چڑیوں کی چہچہاہٹ، طوفان اور سیلاب کی ہولناکی، بجلی کی کڑک، دریا کی روانی، بندوقوں اور توپوں کی گرج یہاں تک کہ خاموشی اور سناٹے کو بھی آوازوں کے اُتار چڑھاؤ اور صدائے باز گشت کے ذریعے سامع تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ریڈیو ڈرامے میں 'فیڈ آوٹ' اور 'فیڈ اِن' کے ذریعے منظر بدلتے ہیں۔ جب کوئی منظر ختم ہوتا ہے تو 'فیڈ آوٹ' کے ذریعے آوازیں ڈوبنے لگتی ہیں۔ 'فیڈ اِن' کے ذریعے نیا منظر شروع ہوتا ہے۔ فیڈ آوٹ اور فیڈ اِن کے لیے موسیقی کا خاص طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ریڈیو ڈرامے کا دورانیہ پندرہ منٹ سے لے کر ایک گھنٹے تک ہو سکتا ہے۔

کردار

قسمت بیگ/تیمور شاہ	–	خانساماں شہزادہ	مہاراجا	–	محمود آباد کے راجا
فرید خان	–	شاہی ملازم	بیگم زینت محل	–	بہادر شاہ ظفر کی بیوی
افسر	–	انگریز فوج کا ہندوستانی سپاہی			

(ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز ...دھیرے دھیرے موسیقی کی آواز فیڈ آؤٹ ہوتی ہے۔)

فیڈ آؤٹ ... (موسیقی)

...فیڈ اِن ...

قسمت بیگ: آداب عرض ہے، مہاراج!

مہاراجا : آؤ، آؤ قسمت بیگ، کہاں چلے گئے تھے؟

قسمت بیگ: حضور! میری ڈیوٹی ختم ہوگئی تھی۔ ہم لوگ چھے چھے گھنٹے کی ڈیوٹی کرتے ہیں۔ میرے لائق کوئی کام ہو تو حکم دیجیے۔ آپ کی خدمت میرے لیے باعثِ عزّت ہوگی۔

مہاراجا : خدمت کے لیے تو یہاں کے دوسرے ویٹر اور ہمارے نوکر کافی ہیں۔ ہم تو تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔

قسمت بیگ: حضور! یہ تو آپ کی ذرّہ نوازی ہے ورنہ میں کیا اور میری باتیں کیا۔

مہاراجا : نہیں قسمت بیگ، تم عام ویٹروں جیسے نہیں ہو۔ تمھارے طور طریقے، تمھارا اندازِ گفتگو، تمھاری سلیقہ مندی بتاتی ہے کہ تم دوسروں سے مختلف ہو۔ ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم کون ہو؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس پیشے میں کیوں کر آئے؟

قسمت بیگ: (آہ بھرکر) حضور! آپ کا حکم سر آنکھوں پر ... ویسے ایک عرصہ ہوا میں نے یہ بھلا دیا کہ میں کون ہوں اور نہیں چاہتا کہ راکھ میں دبی چنگاریوں کو کوئی کرید ے۔

مہاراجا : یہ کہہ کر تو تم نے ہمارے تجسّس کی آگ کو اور بھڑکا دیا ہے قسمت بیگ! ہم تمھاری روداد ضرور سننا چاہیں گے۔

قسمت بیگ: (پھر آہ بھرکر) آپ کے حکم سے منہ موڑنا گستاخی کے مترادف ہوگا۔ آپ کا اصرار ہے تو سنیے ... میں ایک آدمی ہوں۔ نسل کے لحاظ سے تیموری مغل ہوں۔ پیشے کے لحاظ سے یہاں تاج محل ہوٹل کا خانساماں ہوں۔ عمر کے لحاظ سے بڑھا ہوں۔ طبیعت کے اعتبار سے کبھی بچہ ہوتا ہوں، کبھی جوان ... شب و روز میری کوشش رہتی ہے کہ ایک اچھے انسان کی طرح زندگی گزاروں۔ جھوٹ نہیں بولتا، چوری نہیں کرتا، ظلم اور بے رحمی سے بچتا ہوں۔ خدمتِ خلق کو اپنا مقصدِ زندگی مانتا ہوں۔ اگرچہ فقیر ہوں لیکن دل کے تخت پر شہنشاہ ہوں۔

مہاراجا : ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ تم میں کوئی خاص بات ہے۔ تم معمولی حیثیت کے آدمی نہیں ہوسکتے۔ مگر یہ جان کر مزید حیرت ہوئی کہ تم تیموری خاندان سے ہو۔

قسمت بیگ: (جوش سے) تیموری خاندان تو کب کا مٹ چکا ہے۔ یہ سوال فضول ہے کہ میں کس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں اس سوال کی کشمکش میں پڑنا اپنے دل کے لیے آری سمجھتا ہوں جو میرے دل کو چیر دیتی ہے۔

مہاراجا : قسمت بیگ ! ہمیں تمھارے بے پناہ غم کا پورا احساس ہے۔ اگر واقعی اس سوال سے تمھیں دُکھ ہوا ہے تو جانے دو۔ ہم اپنا سوال واپس لیتے ہیں۔

> آدم کی اولاد کو آدمی کہتے ہیں۔ ہر شخص آدمی کہلاتا ہے جس میں فطری خامیاں اور خوبیاں ہوتی ہیں۔ جب اُس میں اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور مہذب ہوجاتا ہے تو وہ انسان کہلاتا ہے۔ سبق میں قسمت بیگ کہتا ہے، ''میں ایک آدمی ہوں۔'' وہ آگے کہتا ہے، ''شب و روز میری کوشش رہتی ہے کہ ایک اچھے انسان کی طرح زندگی گزاروں۔''
>
> جب آدمی ایک اچھا انسان بن جاتا ہے تو اُس کا مرتبہ فرشتوں سے بلند ہوجاتا ہے۔ اس بات کو مولانا حالؔی نے اپنے شعر میں یوں کہا ہے۔
>
> فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
> مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

قسمت بیگ: نہیں حضور! مجھے معاف فرمائیں۔ میں ذرا جوش میں آ گیا تھا۔ انسان کو اپنی موجودہ حیثیت دیکھنا چاہیے۔ آج چوں کہ میں ایک خانساماں ہوں، اس لیے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو 'پدرم سلطان بود' کہہ کر اپنے ماضی پر فخر کریں یا افسوس کریں۔ اور میں ان لوگوں میں سے بھی نہیں جو مستقبل کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ حضور! میں ماضی کا مالک ہوں، حال کا مالک ہوں اور مستقبل کا بھی مالک ہوں۔

مہاراجا : قسمت بیگ! ہم تمھاری داستان تفصیل سے سننا چاہتے ہیں۔

قسمت بیگ: حضور! میں بہادر شاہ ظفر کا بیٹا ہوں۔

مہاراجا : کیا کہا... بہادر شاہ ظفر کے بیٹے؟ یعنی کہ آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے بیٹے؟

قسمت بیگ: جی ہاں حضور! میں مغلیہ سلطنت کے آخری چشم و چراغ بہادر شاہ ظفر کی اولاد ہوں۔

مہاراجا : یعنی کہ تم مغل شاہزادے ہو؟

قسمت بیگ: شاہزادہ نہیں، آہ زادہ ہوں۔ دنیا کی مصیبتوں کی سب زدیں میں نے اُٹھائی ہیں۔ میرا اصلی نام تیمور شاہ ہے۔ میری ماں کا نام بیگم زینت محل تھا مگر بادشاہ کسی وجہ سے میری ماں سے خفا تھے اور میں اپنی ماں کے ساتھ محل خاص سے دور ایک حویلی میں رہتا تھا۔ بادشاہ کی طرف سے نوکر چاکر اور گھوڑا بگھی کا پورا انتظام تھا۔ کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ جب ۱۸۵۷ء کا انقلاب ہوا تو میری عمر دس گیارہ سال رہی ہوگی۔ بادشاہ نے گھبراہٹ میں خود محل کی بیگمات کا انتظام بہت ادھورا کیا تھا۔ اس وقت انھیں شاید میرا اور میری ماں کا خیال تک نہ آیا ہوگا۔ مارے دہشت کے سارے نوکر چاکر بھاگ چکے تھے۔ صرف فرید خاں رہ گیا تھا، جس نے مجھے گودی میں کھلایا تھا۔ وہ محل کی طرف گیا تھا کہ کچھ بادشاہ کی خیر خبر بھی معلوم کرے۔ توپوں کی گرج اور بندوقوں کی دھائیں دھائیں سنائی دے رہی تھی۔ میری ماں مجھے کلیجے سے لگائے بیٹھی کانپ رہی تھی کہ اتنے میں فرید خان واپس آ گیا۔ (موسیقی)

...فیڈ آؤٹ...

(توپوں کی گرج اور گولیوں کی ہلکی ہلکی آواز)

... فیڈ اِن ...

فرید خان : (گھبرائے لہجے میں) بیگم حضور! محل خاص بالکل خالی پڑا ہے۔ پتا چلا ہے کہ عالی جاہ اور ساری بیگمات ہمایوں کے مقبرے میں پناہ گزیں ہیں۔ شاہزادہ مرزا مغل اور شاہزادہ مرزا خضر سلطان مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ کشمیری دروازے پر انگریزوں سے لڑ رہے ہیں مگر کوئی دم میں ان کے قدم بھی اُکھڑنے کو ہیں۔

بیگم زینت محل: یا اللہ! اب ہم کیا کریں؟ اس معصوم کو لے کر کہاں جائیں؟

تیمور شاہ : امّی حضور! آپ ہمارے لیے فکرمند نہ ہوں۔ بس ہمیں ایک چھوٹی سی تلوار دے دیجیے۔ استاذی ارشد بیگ نے ہمیں بھی تلوار کے بہت سے گر بتائے ہیں۔

بیگم زینت محل: میں صدقے جاؤں... ابھی تو تم بہت چھوٹے ہو۔ انگریز بہت ظالم ہے۔ فرید خان! ہم تیمور شاہ کو لے کر ہمایوں کے مقبرے کی طرف جا رہے ہیں۔ ہماری طرف سے تمھیں اجازت ہے، جہاں جانا چاہتے ہو جا سکتے ہو۔ ہمارے لیے تم کیوں بلا وجہ آفت میں پڑو۔

فریدخان : بیگم حضور! بندہ اُن نمک حراموں میں سے نہیں ہے جو محض طلوع ہوتے سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ آپ جہاں جائیں گی بندہ سایے کی طرح آپ کے ساتھ آئے گا۔ آپ کو چھوٹے سرکار کی قسم! مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کیجیے۔ اگر آپ کی حفاظت کے لیے بندے کو جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے تو دریغ نہیں کرے گا۔

بیگم زینت محل: فریدخان! ہمیں تمھاری وفاداری پر فخر ہے۔ ہمارا خیال ہے، عالی جاہ بڑی افراتفری میں محل سے رخصت ہوئے ہیں۔ ہمیں بھی مقبرۂ ہمایوں کی طرف چلنا چاہیے۔

فریدخان : بیگم حضور! اس وقت مقبرۂ ہمایوں کا رُخ کرنا موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ سارے راستے انگریزوں نے گھیر لیے ہیں۔ میری مانیے تو آپ قدم شریف کی طرف چلیے۔ میں دیکھتا آیا ہوں، وہاں انگریزوں کا پہرہ نہیں ہے۔

بیگم زینت محل: مگر فریدخان! ہم عالی جاہ کو انگریزوں کے نرغے میں چھوڑ کر کیوں کر جا سکتے ہیں؟

فریدخان : مشیتِ ایزدی بیگم حضور! زندگی باقی رہی تو عالی جاہ کے دیدار بھی ہو جائیں گے۔

بیگم زینت محل: (آہ بھر کر) ٹھیک ہے فریدخان! ہم موت سے نہیں ڈرتے ...بس مرنے سے پہلے صرف ایک بار عالی جاہ کے قدموں میں سر رکھ کر ان سے معافی مانگنا چاہتے ہیں ...خیر ...چلنے کی تیاری کرو... (گولیوں کی آواز)

فریدخان : بیگم حضور! جلدی کیجیے، انگریز بڑھا چلا آ رہا ہے۔

بیگم زینت محل: چلو بیٹا تیمور۔ (گولیاں چلنے کی آوازیں، لوگوں کی چیخ و پکار)

...فیڈ آؤٹ...

... فیڈ اِن ...

(دور سے اب بھی رہ رہ کر گولیاں چلنے کی آوازیں آ رہی ہیں)

فریدخان : بیگم حضور! یہ جگہ مناسب ہے۔ آپ اور چھوٹے سرکار اس حجرے میں آرام کیجیے۔ میں دالان میں نگرانی کروں گا۔

تیمور : امّی حضور! ہم عالی جاہ کے پاس کب جائیں گے؟

بیگم زینت محل: راستے میں دشمنوں کا پہرہ ہے بیٹے۔ ذرا یہ گولیوں کی دھائیں دھائیں تھم جائے تو وہیں چلے چلتے ہیں۔ اب تم سو جاؤ۔

...فیڈ آؤٹ...

... فیڈ اِن ...

فریدخان : (گھبرائے ہوئے لہجے میں) بیگم حضور!...بیگم حضور!

بیگم زینت محل: کیا ہے فریدخان؟

فریدخان : بیگم حضور! غضب ہو گیا۔ سپاہیوں نے قدم شریف کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ وہ آپ کی گرفتاری کے درپے ہیں۔ سپاہیوں کا افسر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

بیگم زینت محل: ہم کسی انگریز افسر سے کیا بات کریں۔ تم انھیں صورتِ حال سے آگاہ کر دو۔

فریدخان : افسر انگریز نہیں، ہندوستانی ہے۔ کہتا ہے وہ دروازے کے باہر سے دو چار سوالات پوچھنا چاہتا ہے۔

بیگم زینت محل: (سرد آہ بھر کر) ٹھیک ہے۔ آنے دو۔

(موسیقی)

افسر : آداب بجالاتا ہوں بیگم حضور! اس زحمت کے لیے میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔

بیگم زینت محل: معافی ...ایک شکست خوردہ بادشاہ کی بیگم جو مجبوری اور بے کسی کی منہ بولتی تصویر ہو، اسے کسی کو معاف کرنے کا بھی اختیار کہاں ہوتا ہے؟

افسر : ایسا نہ کہیے بیگم حضور! انگریز بھلے ہی آپ سے جو چاہے سلوک کریں مگر ایک ہندوستانی ہونے کے ناتے آپ کا احترام کرنا میرا فرض ہے۔

بیگم زینت محل: فرض؟ ہمارے احترام سے پہلے ایک ہندوستانی ہونے کے ناتے تم پر کچھ اور فرائض بھی عائد ہوتے ہیں، سپاہی زادے!

افسر : میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا بیگم حضور!

بیگم زینت محل: کیا اپنے بادشاہ کا احترام کرنا اور جنگ میں اپنے ملک، اپنے بادشاہ کی خاطر سینہ سپر ہونا ایک سپاہی زادے کا فرض نہیں ہے؟

افسر : بیگم حضور! ہم انگریزوں کے تنخواہ دار ملازم ہیں۔ جنگ میں ان کے حکم کی تعمیل کرنا ہی ہمارا پہلا فرض ہے۔

بیگم زینت محل: تم کیا سمجھتے ہو؟ انگریز نے چند سکوں کے عوض تم سب کے ضمیر بھی خرید لیے ہیں۔تم بھول رہے ہو کہ تم انگریز کے سپاہی ہونے سے پہلے ایک ہندوستانی ہو۔

افسر : بے شک ہم ہیں۔

بیگم زینت محل: نہیں ...تم لوگ ہندوستانی نہیں ہو سکتے سپاہی زادے۔تم اگر ہندوستانی ہوتے تو سنگینوں سے اپنے بھائیوں کے سینے چھلنی نہ کرتے، بہنوں کا سہاگ نہ اُجاڑتے، ماؤں کی گودیں نہ اُجاڑتے۔تم ہندوستانی نہیں ہو۔تم صرف انگریزوں کے نمک خوار ہو۔اُن کے غلام ہو بس۔

افسر : بیگم حضور! یہ بحث کا وقت نہیں ہے، پھر بھی ایک بات عرض کردوں۔ ہم اپنے وطن سے، اپنے وطن کے بھائیوں سے وفاداری نبھانے کو تیار تھے مگر ہم کس کے ساتھ وفاداری نبھاتے؟ کس کے پرچم تلے ہم یکجا ہوتے؟ کون ہمارا رہبر ہوتا؟ کون ہمیں انقلاب کی راہ دِکھاتا؟ کوئی نہیں۔کوئی قیادت پائیدار نہیں تھی۔صبح جو پرچم لہراتا شام کو سرنگوں ہو جاتا تھا۔کس کا ساتھ دیتے؟

بیگم زینت محل: سب کہنے کی باتیں ہیں۔جن کو لڑنا تھا، انھوں نے لڑ کر اپنی جانِ عزیز وطن پر قربان کردی۔

افسر : ہم اندھی لڑائی لڑنا نہیں چاہتے تھے۔

بیگم زینت محل: سچ ہے۔تم لوگ اندھی لڑائی لڑنا نہیں چاہتے تھے،جن کا جذبہ سرد اور ضمیر بے حس ہو جاتا ہے، وہ کسی بھی قسم کی لڑائی نہیں لڑ سکتے...خیر... بتاؤ، ہمیں کہاں چلنا ہے؟

افسر : وِلسن صاحب کا حکم ہے کہ شاہی خاندان کے ہر فرد کو عزّت و احترام کے ساتھ کیمپ میں پہنچا دیا جائے۔

بیگم زینت محل: کیمپ میں؟

افسر : جی ہاں ...جامع مسجد کے پاس ایک کیمپ لگا دیا گیا ہے۔شاہی خاندان کے بہت سے افراد کو انھی خیموں میں رکھا گیا ہے۔

بیگم زینت محل: اگر بتا سکتے ہو تو بتاؤ کہ عالی جاہ کو کہاں رکھا گیا ہے؟

افسر : اس کا علم سوائے وِلسن صاحب کے کسی اور کو نہیں۔

بیگم زینت محل: خیر...چلو۔فرید خان! چلنے کی تیاری کرو...تیمور بیٹے! چلو...نہیں اب ہماری اُنگلی مت پکڑو۔آئندہ زندگی کا سفر تمھیں اکیلے ہی طے کرنا ہے۔خبردار! گھبرانا مت...تیموری شاہزادے ہر حال میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

(موسیقی) ... فیڈ آؤٹ ...

... فیڈ اِن ...

بیگم زینت محل: فرید خان! اس تنگ قبر نما خیمے میں ہمیں کب تک رہنا ہوگا؟

فرید خان : بس کل تک...کل شام کو ہمیں چاندنی محل بھجوا دیا جائے گا۔ بہت سے شاہزادوں اور بیگمات کے ساتھ ہمیں بھی چاندنی محل میں ایک چھوٹا سا دو کمروں کا مکان دیا گیا ہے...اور...

بیگم زینت محل: اور کیا فرید خان؟

فرید خان : (روتے ہوئے) اور...دس روپے ماہوار گزارے کے مقرر کر دیے گئے ہیں۔

بیگم زینت محل: دس روپے؟

فرید خان : جی ہاں...صرف دس روپے۔

بیگم زینت محل: (آہ بھر کر) مت روؤ فرید خان۔انسان کو ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔اللہ جانتا ہے، ہمیں اپنی رتّی بھر فکر نہیں۔ اگر فکر ہے تو بس تیمور شاہ کی ہے کہ ہمارے بعد شہزادے کا کیا ہوگا؟ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔اللہ اسے اپنی امان میں رکھے۔چاندنی محل چلنے کی تیاری کرو۔جب کشتی کے بادبان ٹوٹ جائیں تو اسے ہواؤں کے رُخ پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔...(موسیقی)

... فیڈ آؤٹ ...

... فیڈ اِن ...

مہاراجا : (ٹھنڈی سانس کھینچ کر) تمھاری داستان سن کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے قسمت بیگ...اچھا یہ بتاؤ، تمھارا اصلی نام تو تیمور شاہ تھا پھر قسمت بیگ نام کس نے رکھا؟

قسمت بیگ: میری قسمت نے...اس کے علاوہ کیا عرض کروں۔ میں جب دہلی سے بمبئی آیا، ہر شخص کو میں نے اپنا نام قسمت بیگ بتایا۔

مہاراجا : تم نے اس خانساماں کے کام کے علاوہ کچھ اور کام نہیں سیکھا؟ تمھاری باتوں سے تو لگتا ہے تم کافی پڑھے لکھے ہو۔

قسمت بیگ: نہیں حضور! میں کبھی مکتب نہیں جاسکا۔ دراصل دہلی میں چاندنی محل کے قریب ایک خانقاہ تھی، میں وہاں اکثر جایا کرتا تھا۔خانقاہ میں ایک درویش رہا کرتے تھے، ان کی باتیں سنتا رہتا تھا۔ان کا مجھ پر اثر ہوتا تھا۔یہ جو منہ کھولنے کی جرأت کرلیتا ہوں، انھیں درویش کی صحبت کا فیض ہے۔

مہاراجا : چلو، ہم تمھیں اپنی ریاست میں لے چلتے ہیں، جو تنخواہ یہاں ملتی ہے، اس سے دوگنی تنخواہ دیں گے اور تمھاری باتیں سنا کریں گے۔کوئی کام نہیں لیں گے۔

قسمت بیگ: حضور! یہ عین بندہ نوازی ہے لیکن جس نے اس دنیا کے انقلاب کو سمجھ لیا، وہ کہتا ہے کہ ایک دروازے کو پکڑ اور مضبوط

پکڑ، در بدر بھٹکتا نہ پھر۔ اس ہوٹل میں میری عزت بھی ہے اور مزاج داری بھی ہے۔ صاحب لوگ بھی میری بدمزاجیوں کو برداشت کر لیتے ہیں۔ ضرورت کے موافق ہر چیز موجود ہے۔ آپ ہی فرمائیے میں آپ کے ساتھ آ کر کیا کروں؟ اور اس عمر میں ایک جگہ کو چھوڑ کر جہاں کوئی تکلیف نہیں ہے، آپ کے یہاں کیوں آؤں؟

مہاراجا : خوب... قسمت بیگ، ہم تمھارے جواب سے بے حد خوش ہوئے۔ یہ لو، ہماری طرف سے یہ انعام رکھو۔

قسمت بیگ: یہ کیا ہے حضور؟

مہاراجا : یہ ایک ہزار روپے کا چیک ہے۔ اس کو اپنے خرچ میں لانا۔ آئندہ بھی ہر سال ہوٹل کے منیجر کی معرفت ہزار روپے تم کو مل جایا کریں گے۔

قسمت بیگ: (بھرّائی آواز میں) اس نوازش کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں حضور... (آہستہ آہستہ) شکر گزار ہوں... بہت شکر گزار ہوں۔

(دھیرے دھیرے گیت کی آواز اُبھرتی ہے)

گیت :

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں ، نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آ سکے ، میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں
... فیڈ آؤٹ ...

> تاج محل ہوٹل ایک پانچ ستارہ ہوٹل ہے جو عروس البلاد ممبئی میں گیٹ وے آف انڈیا کے سامنے واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انگریزوں کے زمانے میں مشہور صنعت کار سر جمشید جی ٹاٹا کو اُس وقت شہر کے ایک مشہور ہوٹل واٹ سنس میں داخل ہونے سے روک دیا گیا جس کا مالک کوئی انگریز تھا۔ اُنھوں نے اس بے عزّتی کا بدلہ لینے کے لیے تاج محل ہوٹل تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۶/ دسمبر ۱۹۳۰ء کو ہوٹل کو تمام ہندوستانیوں کے لیے کھول دیا گیا۔ سیتارام کھانڈے راؤ ویدیا اور ڈی۔ این۔ مرزا اس کے بنیادی معمار تھے۔ اس تاریخی ہوٹل میں پانچ سو ساٹھ کمرے اور چوالیس خصوصی کمرے ہیں۔

معانی و اشارات

خانساماں	-	باورچی
ناگوارِ خاطر	-	بُرا لگنا
پدرم سلطان بود	-	’میرے والد بادشاہ تھے‘ اپنی بے جا بڑائی کے وقت بولا جانے والا فقرہ
قدم شریف	-	دہلی میں ایک زیارت گاہ
مشیتِ ایزدی	-	اللہ کی مرضی
سینہ سپر ہونا	-	سینے کو ڈھال بنانا مراد ڈٹے رہنا
بے ثباتی	-	عارضی پن
تجسّس کی آگ کو بھڑکانا	}	کچھ معلوم کرنے کے لیے کسی کو اُکسانا
زدیں	-	زد کی جمع، تکلیفیں
کوئی دم میں	-	فوراً، کسی بھی وقت
قدم اُکھڑنا	-	ہار کر بھاگ جانا
اُستاذی	-	میرے استاد
دریغ نہ کرنا	-	پروا نہ کرنا، نہ ہچکچانا
سرنگوں ہو جانا	-	سر جھکا دینا
کی معرفت	-	کے توسط سے، کے ذریعے

مشق

✳ درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے :

۱۔ ”حضور! آپ کا حکم سر آنکھوں پر... میں نے یہ بھلا دیا کہ میں کون ہوں اور نہیں چاہتا کہ راکھ میں دبی چنگاریوں کو کوئی کریدے۔“

۲۔ ”اگرچہ فقیر ہوں لیکن دل کے تخت پر شہنشاہ ہوں۔“

۳۔ ”حضور! میں ماضی کا مالک ہوں، حال کا مالک ہوں اور مستقبل کا بھی مالک ہوں۔“

۴۔ ”جب کشتی کے بادبان ٹوٹ جائیں تو اسے ہواؤں کے رُخ پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔“

✳ درج ذیل جملوں میں استعمال کیے گئے محاوروں کی جگہ اُن کے معانی استعمال کر کے جملے دوبارہ لکھیے :

۱۔ ”تم نے تجسّس کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔“

۲۔ ”آپ کے حکم سے منہ موڑنا گستاخی کے مترادف ہوگا۔“

۳۔ ”تیموری خاندان تو کب کا مٹ چکا ہے۔“

۴۔ ”میں اُن لوگوں میں سے بھی نہیں ہوں جو مستقبل کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔“

۵۔ ”مگر کوئی دم میں اُن کے قدم بھی اُکھڑنے کو ہیں۔“

✳ مغل شہزادوں سے متعلق کوئی اہم واقعہ اپنے تاریخ کے استاد سے معلوم کر کے لکھیے اور اپنی جماعت میں سنائیے۔

✳ ڈرامے سے کم از کم پانچ ایسے مکالمات چن کر تحریر کیجیے جن سے احترام اور انکسار کا اظہار ہوتا ہے۔

مثلاً : ☆ آداب عرض ہے، مہاراج!

☆ یہ تو آپ کی ذرّہ نوازی ہے۔

✳ ڈرامے سے ایسے مکالمات چن کر لکھیے جن سے شہزادہ تیمور شاہ کی حوصلہ مندی اور بہادری کا اظہار ہوتا ہے۔

✳ 'پہلی بات' کی مدد سے ویب خاکہ مکمل کیجیے۔

ڈراموں کی قسمیں

✳ جان پہچان کی مدد سے رواں خاکہ (فلو چارٹ) مکمل کیجیے۔

سلام بن رزاق : افسانوں کے مجموعے

✳ سبق کی روشنی میں خط کشیدہ لفظ بدل کر درست جملہ لکھیے۔

۱۔ قسمت بیگ شاہی ملازم تھا۔

۲۔ تیمور شاہ نے تلوار بازی امجد بیگ سے سیکھی۔

۳۔ فرید خان نے بیگم صاحبہ کو کہا کہ علم شریف کی طرف چلے جائیں۔

۴۔ شاہی خاندان کو انگریزوں نے رانی محل میں ٹھہرایا تھا۔

۵۔ مہاراجا نے قسمت بیگ کو دو ہزار روپے کا چیک پیش کیا۔

✳ کرداروں کی درست جوڑیاں لگائیے۔

الف	ب
قسمت بیگ	شاہی ملازم
فرید خان	خانساماں شہزادہ
افسر	بہادر شاہ ظفر کی بیوی
مہاراجا	انگریز فوج کا سپاہی
بیگم زینت محل	محمود آباد کے راجا

✳ اسباب بتائیے۔

۱۔ مہاراجا نے کہا، ”تمھاری باتوں سے لگتا ہے تم کافی پڑھے لکھے ہو۔“

۲۔ مہاراجا نے قسمت بیگ کو چیک دیا۔

✳ زمانے کے اتار چڑھاؤ اور دنیا کی بے ثباتی سے متعلق آپ کیا سوچتے ہیں لکھیے۔

✳ زمانے کے اعتبار سے واقعات کو ترتیب دیجیے۔

۱۔ مہاراجا نے قسمت بیگ کو چیک دیا۔

۲۔ بیگم زینت محل اور قسمت بیگ الگ الگ حویلی میں رہتے تھے۔

۳۔ مغل شہزادوں نے انگریزوں سے کشمیری دروازے پر مقابلہ کیا۔

۴۔ مہاراجا نے قسمت بیگ کو ملاقات کے لیے بلایا۔

۵۔ فوجی نے بیگم زینت محل سے بات چیت کی۔

* آپ نے کوئی ڈراما دیکھا ہو تو اس کے بارے میں دس جملے لکھیے۔

* یومِ آزادی کے موقع پر اپنے اسکول میں اس ڈرامے کو پیش کیجیے۔

عملی قواعد

اصلی/ معاون/ ناقص فعل

۱۔ تم کھیتی کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟

۲۔ ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے۔

۳۔ جاڑا کسی بھوت کی مانند اس کی چھاتی کو دبائے ہوئے تھا۔

۴۔ اسے اپنی گود میں سلا لیا۔

۵۔ تم نے ہمارے تجسّس کی آگ کو اور بھڑکا دیا ہے۔

ان جملوں کے خط کشیدہ الفاظ پر توجہ دیجیے: چھوڑ دیتے/سمجھ گئے تھے/ دبائے ہوئے تھا/ سلا لیا/ بھڑکا دیا ہے

یہ فقرے مختلف افعال سے بنے ہیں۔ انھیں ذیل کے مطابق سمجھا جاسکتا ہے۔

اصلی فعل	معاون فعل	ناقص فعل
بھڑکا	دیا	ہے
سمجھ	گئے	تھے
چھوڑ	دیتے	–
سلا	لیا	–

ان افعال کی صحیح صورت یہ ہے:

بھڑکانا	دینا	ہونا
سمجھنا	جانا	ہونا
چھوڑنا	دینا	
سلانا	لینا	

جملے میں ایک فعل اگر دوسرے فعل سے غیر متعلق ہو جیسے کہ پہلی مثال میں 'بھڑکا دیا ہے' کے فقرے میں 'بھڑکانا' تو اس فعل کو **اصلی فعل** کہا جاتا ہے۔

اصلی فعل میں مفہوم کے اضافے کے لیے کبھی دوسرا فعل بھی اس کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے جیسے 'بھڑکا دیا ہے' میں 'دیا'۔ اسے **معاون فعل** کہتے ہیں۔

اسی طرح کبھی اصلی اور معاون فعل کے ساتھ ہی مزید فعل کی کوئی صورت استعمال کرتے ہیں جیسے 'بھڑکا دیا ہے' میں لفظ 'ہے'۔ اس فعل کو **ناقص فعل** کہا جاتا ہے۔ (کبھی ضرورت کے وقت 'ہے' کی جگہ 'تھا/ تھے/ ہوگا/ ہوگی' وغیرہ الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں)

* ذیل کے جملوں میں اصلی / معاون / ناقص افعال کی نشان دہی کیجیے۔

۱۔ میں ذرا جوش میں آ گیا تھا۔

۲۔ ہم تمھاری داستان سننا چاہتے ہیں۔

۳۔ اس معصوم کو کہاں لے جائیں؟

۴۔ بھائیوں کے سینے چھلنی نہ کرتے۔

برسبیلِ تذکرہ...

آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شکست کے بعد بہادر شاہ ظفرؔ کو انگریزوں نے گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا تھا جہاں ۱۸۶۲ء میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں اُن کی تدفین عمل میں آئی۔

بہادر شاہ ظفرؔ ایک اچھے شاعر تھے اور مرزا غالبؔ کے شاگرد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی موت سے پہلے ایک غزل کہی تھی جس کا مقطع یوں ہے ؎

کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

شاعری میں ایسی بات کو بیان کرنا جو مستقبل میں پیش آ جائے اُسے 'اِلقا' کہتے ہیں جس کے لغوی معنی ہیں غیب سے دل میں کوئی بات آنا۔

٦ بغداد کا سفر

سجاد حیدر یلدرم

پہلی بات: سفرنامہ ایک بیانیہ نثری صنف ہے۔اس کے لیے کوئی خاص اُصول یا تکنیک متعین نہیں ہے مگر اس کا طرزِ بیان ایسا ہونا چاہیے کہ پڑھنے والے کی دلچسپی برقرار رہے۔بعض سفرنامے منظوم بھی لکھے گئے ہیں۔سفرناموں میں سفر کی روداد بیان کی جاتی ہے۔سیاح اپنے سفر کے دوران جن مقامات کی سیر کرتا ہے، وہاں اسے جو تجربات اور مشاہدات حاصل ہوتے ہیں، ان کی تفصیل وہ سفرنامے میں پیش کر دیتا ہے۔اس تفصیل میں جغرافیائی محلِ وقوع، تاریخی مقامات، تہذیب وتمدن، رسم و رواج، سماجی حالات، موسم اور مناظر، سیاسی صورتِ حال، ادبی و ثقافتی سرگرمیاں وغیرہ جیسے بہت سے موضوعات شامل ہوتے ہیں۔ہر سفرنامے کی اپنی مخصوص فضا ہوتی ہے۔سفرنامہ لکھنے والا اکثر و بیشتر اپنے سفرنامے کو دلچسپ بنانے کے لیے رنگین بیانی، افسانہ طرازی اور مبالغہ آرائی سے بھی کام لیتا ہے۔

جان پہچان: سجاد حیدر یلدرم ۱۸۸۰ء میں نہٹور، ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سیّد علی سجاد حیدر تھا۔علی گڑھ سے بی۔اے کرنے کے بعد وہ ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ پھر ۱۹۳۰ء میں جزائر انڈمان کے ریونیو کمشنر مقرر ہوئے۔'خیالستان' اور 'جمالستان' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ان کے مضامین اور افسانوں پر رومانیت کے اثرات حاوی ہیں۔اُنھوں نے ترکی ناولوں اور ڈراموں کے ترجمے بھی کیے۔وہ ہر شے میں حسن کو تلاش کرتے ہیں۔انھیں ادبِ لطیف کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کا انتقال ۱۹۴۳ء میں لکھنؤ میں ہوا۔

اُردو میں سفرنامے کا آغاز اُنیسویں صدی کے نصف میں ہوا۔ یوسف خاں کمبل پوش کا سفرنامہ 'عجائباتِ فرنگ' اُردو کا پہلا سفرنامہ ہے جو ۱۸۴۷ء میں لکھا گیا تھا۔اُنیسویں صدی کے اہم سفرناموں میں سرسیّد احمد خاں کا 'مسافرانِ لندن'، محمد حسین آزاد کا 'سیرِ ایران'، شبلی نعمانی کا 'سفرنامۂ روم و مصر و شام' قابلِ ذکر ہیں۔بیسویں صدی میں جب آمد و رفت کے وسائل میں اضافہ ہوا اور ہوائی سفر آسان ہو گیا تو سفرنامے بھی خوب لکھے جانے لگے۔اُردو میں حج کے سفرنامے بھی خاصی تعداد میں لکھے گئے ہیں۔بعض سفرنامے مزاحیہ انداز میں بھی لکھے گئے ہیں۔

میں یہ نہ بتاؤں گا کہ میں کب اور کیوں اور کہاں سے روانہ ہوا کیونکہ میرے دوست ان تمام باتوں سے واقف ہیں اور جو مجھے نہیں جانتے انھیں بتانے کی ضرورت نہیں۔صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ بغداد شریف جا رہا ہوں۔

۲۶/ مارچ ۱۹۰۴ء کو اپنے پیارے دوستوں سے کچھ ارمان بھرے اور زیادہ تر حرمان بھرے دل کے ساتھ جدا ہوا اور آخر کار ۳/ اپریل کو جہاز 'کولا' پر کراچی سے روانہ ہو گیا۔موسم نہایت خوش گوار تھا اور سمندر کی جبیں پر ذرا بھی بل نہ تھا، اور اگرچہ یہ میرا پہلا سمندر کا سفر تھا لیکن میں نہیں جانتا کہ سرگرانی اور طبیعت کا متلانا کسے کہتے ہیں۔اور اگر سفر بحر ایسا ہی ہمیشہ ہوتا ہے تو میں عمر بھر سفر کرنے کو تیار ہوں۔لیکن لوگ کہتے ہیں مئی، جون میں خلیج فارس کا مزاج برہم ہوتا ہے اور اس وقت وہ کسی کی نہیں سنتا۔

۵/ اپریل کو دو بجے سہ پہر کے قریب مسقط پہنچے۔مسقط کے بعد بوشہر تک سمندر ذرا خراب تھا مگر میری طبیعت پھر بھی خراب نہیں ہوئی۔۸/ اپریل کو آٹھ بجے صبح بوشہر پہنچے۔یہاں اُترنے کی اجازت نہیں، دوربین ہی سے شہر کو دیکھا اور کچھ اچھا نہ پایا۔(سنا ہے بوشہر کے انگور کھٹے ہوتے ہیں)

۹/ اپریل سات بجے صبح: سبحان اللہ، سبحان اللہ! ہم کس خطّے میں جا رہے ہیں، رات ہی بھر میں یہ کیا طلسم ہو گیا! جہاز کی دونوں جانب کیسا دلکش منظر ہے۔دو طرفہ خرمے کے درختوں کی مسلسل قطاریں ہیں اور ان کے پیچھے اور نیچے گلاب اور نارنگی اور انار کے درخت ہیں، جو پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اور جہاں تک نگاہ دوربین کے ذریعے سے کام کرتی ہے، یہ مارے خوشی کے پاگل کر دینے والا منظر

سامنے ہے۔ اور میں حقیقت میں تھوڑی دیر کے لیے پاگل ہو گیا تھا۔ جہاز پر دوڑا دوڑا پھرتا ہوں، کبھی اس طرف کے منظر کو دیکھتا ہوں کبھی اُس طرف کے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا سفینہ سمندر چھوڑ کے دجلہ اور فرات کے مجموعۂ پانی کے سینے پر چل رہا ہے اور ایک طرف ساحل ترکی ہے اور دوسری طرف ایرانی۔

یہاں اس دریا کے کنارے سوائے گھنے، اونچے اور سرسبز درختوں اور پھولوں کے آپ اور کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اوپر آسمان ہے، نیچے پانی ہے اور دائیں بائیں نظر کو یہ درخت روک رہے ہیں اور یہ سلسلہ میں سنتا ہوں کہ یہاں سے بغداد تک یعنی چار سو میل تک قائم ہے۔ شاید لوگ خرمے کے درختوں کی اس قدر تعریف سن کر زیرِ لب مسکرائیں گے؛ مگر یہ خیال رہے کہ یہ سوڈان کے خرمے کے درخت نہیں ہیں کہ چار پانچ ایک جگہ کھڑے ہیں اور اردگرد سیکڑوں میل تک ریت کا چٹیل میدان ہے۔ یہ عراقین کے نخلستان اور خُرمستان ہیں جن کے سایے میں ہر قسم کے پھول اور پھل لگے ہوئے ہیں اور دماغ کو معطر کر رہے ہیں۔

دو بجے محمرّہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا مقام ہے، یہاں ایرانی سرحد ختم ہوتی ہے اور یہاں سے دو طرفہ ساحل ترکی ہے۔

محمرّہ سے بصرہ کوئی تیس پینتیس میل کے فاصلے پر ہے اور ذرا آگے بڑھتے ہی بصرہ کے مضافات شروع ہو جاتے ہیں۔ دریا کے کنارے درختوں کے جھنڈ وہی ہیں، پھول وہی ہیں، مگر اب ان میں امرائے بصرہ کے مکانات شروع ہو جاتے ہیں اور ان قدرتی بے جان پھولوں میں انسانی زندہ پھول اور غنچے نظر آنے لگتے ہیں یعنی حسین اور نہایت حسین یہودی، ارمینین اور خال خال ترک۔ عورتیں، لڑکے اور لڑکیاں دوڑ دوڑ کے لبِ دریا ہمارے جہاز کو دیکھنے آتی ہیں اور ہم دوڑ دوڑ کے ڈیک کے کنارے ان کو دیکھنے جاتے ہیں۔ کاش یہ سلسلہ لامتناہی ہوتا، مگر وہ تو ایک دو گھنٹے ہی میں جہاز بصرہ پہنچ گیا۔

یہاں قوموں میں بہت مخالطہ ہوتا ہے۔ مسلمان، عیسائی اور یہودی عبا اور قبا بھی پہنتے ہیں اور بہت سے کوٹ پتلون پہنتے ہیں، ترکی ٹوپی اوڑھتے ہیں اور تو اور ناموں سے بھی پتا نہیں چلتا کہ کون مسلم ہے اور کون غیر مسلم۔ میرے ساتھی ارمنی جو تھے، ان کے نام تھے نصر اللہ مسیح اور شکر اللہ صبّاغ۔

یہاں ایک اور بات عجیب دیکھی۔ ہمارے یہاں تو انگریز عموماً اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ہندوستانی انگریزی کپڑے پہنیں، اور خاص کر یہ کہ انگریزی ٹوپی اوڑھیں۔ یہاں ترک اس بات کے خواہش مند ہیں کہ سب ان کی ٹوپی اوڑھیں۔ چنانچہ یہ دونوں ارمنی ساتھی انگریزی ٹوپی پہنتے تھے۔ بصرہ پہنچتے ہی ترکی ٹوپی پہننے لگے۔ میں نے پوچھا تو کہا، ہم ترکی رعایا ہیں، لہٰذا یہاں ہمیں ترکی ٹوپی پہننا ضروری ہے۔ یہودی عموماً عبا و قبا پہنتے ہیں اور عرب تو بالکل یہی۔ ترک سب یورپین لباس پہنتے ہیں اور اپنے تئیں یورپین سمجھتے ہیں یعنی عربوں، یہودیوں اور ارمنیوں سے بالاتر۔

سہ پہر کو جہاز بصرہ سے روانہ ہو گیا۔ چوتھے روز ہم بغداد پہنچے۔

بغداد کے مکان سب کچے اور شاندار ہیں۔ دجلہ کے دونوں کنارے قصر بہت خوبصورت اور نئی وضع کے ہیں۔ سڑک سے مکانوں میں داخل ہوئیے تو تعجب ہوتا ہے کہ مکانوں میں کیسی صفائی رکھی جاتی ہے۔ یہاں عام طور پر لوگ ضروریاتِ زندگی پر زیادہ خرچ کرتے ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس یعنی وہ عمارت جس میں تمام کچہریاں اور دفاتر ہیں اور جسے یہاں سرائے حکومت کہتے ہیں، بڑی شاندار اور دفاتر ہندوستان کے دفتروں کے بلکہ ان سے بہتر سجے ہوئے ہیں۔

مدینۃ العلم والفضل بغداد اپنی تمام فضیلت کھو بیٹھا ہے۔ مدرسہ نظامیہ کے شہر میں آج ایرانی یا نئی تعلیم کا کوئی ایسا مدرسہ نہیں ہے

جسے کالج کے لقب سے یاد کیا جائے۔ ہاں دس بارہ اسکول ہیں جن میں زیادہ تر یہود و نصاریٰ کے یا امریکن مشن، پروٹسٹنٹ مشن، فرنچ کیتھولک مشن کے ہیں۔ یہ اسکول ہندوستان کے مشنری اسکولوں کی طرح بہت منظم اور عمدہ حالت میں ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے کوئی اسکول نہیں۔ صرف حکومت کی طرف سے چند اسکول ہیں مثلاً مکتب ابتدائیہ، مکتب رُشدیہ، مکتب اعدادیہ، مکتب صنائع۔ مگر اہلِ شہر عرب مسلمان ان میں بھی کم پڑھتے ہیں، ترک ہی زیادہ تر ان مدرسوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہاں تعلیمِ نسواں کے معنی صرف مضامین متعلقِ تعلیمِ نسواں لکھنا نہیں ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے تو بہت سے مدارسِ نسواں ہیں۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں؛ مسلمانوں کے لیے بھی ایک مکتبِ نسواں ہے جو ہائی اسکول کے درجے تک ہے اور اس میں ترکی اور بعض عربی خانمیں پڑھتی ہیں۔ خانموں کے ذکر میں پردے کا ذکر بھی بے موقع نہ ہوگا۔ یہاں تمام مسلمان عورتیں؛ ادنیٰ اور اعلیٰ درجے کی برقعہ اوڑھ کر خود بازار جاتی ہیں اور خرید و فروخت کرتی ہیں۔ ترکی خانموں کا پردہ بالکل برائے نام ہوتا ہے۔ ان کے چہرے صاف نظر آتے ہیں۔ لباس ترکنوں کا بالکل انگریزی ہے لیکن عربنوں کا عربی ہوتا ہے۔

ہارون رشید

ساتویں عباسی خلیفہ (۷۶۳ء تا ۸۰۹ء) ان کے والد کا نام مہدی اور والدہ کا نام خیزران تھا۔ ہارون علوم و فنون کے قدردان تھے۔ ان کے دربار میں بڑے بڑے عالم و فاضل جمع ہوگئے تھے۔ ان میں حضرات امام مالک، امام شافعی، امام محمد اور امام یوسف بھی شامل تھے۔ ان کے عہد میں بغداد کے اطراف میں بغاوتیں ہوئیں جنھیں انھوں نے بڑی بہادری سے فرو کیا۔ رومی سلطنت کو بھی انھوں نے شکست دی اور چین، ہندوستان اور یورپ کے بعض ملکوں سے تعلقات قائم کیے۔ علوم و فنون کی بہت سی کتابوں کے ترجمے کروائے۔ بغداد ان کے زمانے میں بڑے بڑے مدرسوں کا شہر بن گیا تھا۔ ایران کے شہر طوس میں ہارون رشید کا انتقال ہوا۔

اللہ اللہ! بغداد کی خاک میں کیسے کیسے بزرگ سوتے ہیں۔ ان کے مزاروں کی زیارت میں نے کی۔ مگر دارالخلافہ بغداد کے شاہی محل کہاں ہیں؟ وہ کتب خانہ، وہ مدرسے، وہ رصدگاہیں کدھر ہیں؟ مدرسۂ نظامیہ کس جگہ ہے؟ قصرِ خلد کس طرف ہے؟ آہ! یہ سوالات ہلاکو خاں سے کرو۔ ہم کیا جواب دیں۔ شمس العلما مولانا حالؔی دہلی کے سیّاح سے کہتے ہیں ؎

لے کے داغ آئے گا سینے پہ بہت اے سیّاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

لیکن یہاں اس نصیحت کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں کھنڈر تک نہیں رہے۔ ولایت بغداد کے سرکاری سالنامے میں مؤلف تاریخی عمارات کے ذکر میں فرماتے ہیں:

"جہاں آج کل دفتر نظارتِ رسومات ہے، وہاں مدرسۂ نظامیہ تھا۔"

ہارون اور مامون کی تمام کوششوں کا یہ نتیجہ ہے! ہاں، ایک زبیدہ کا مقبرہ تو شکستہ حالت میں باقی ہے، جہاں عرب راہزن رات کو جمع ہوکر مالِ غنیمت آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ بابِل جو ہزاروں برس پہلے تباہ ہوا، اس کے کھنڈر تو باقی ہوں اور نہ باقی ہوں تو عباسیوں کے جاہ و جلال کے نشان! مگر بابل کو ہلاکو نے تھوڑا ہی تاراج کیا تھا۔

کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ جو قوم بغداد کو تباہ کرے، اسی کی ایک شاخ جامع

مامون رشید

آٹھویں عباسی خلیفہ (۷۸۶ء تا ۸۲۳ء) جن کا دورِ حکومت عباسی حکومت کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔ ان کا دارالحکومت مرو (ترکستان) میں تھا۔ جب اطراف کی حکومتوں نے سر اُٹھایا تو ان کی سرکوبی کے لیے انھوں نے دارالحکومت دوبارہ بغداد میں قائم کرلیا۔ مامون رشید علوم و فنون کے دلدادہ تھے۔ ان کا عہد علمی ترقیوں کا عہد تھا۔ انھوں نے بغداد میں فلکیاتی مشاہدے اور تجربات کے لیے دو رصدگاہیں تعمیر کروائی تھیں۔ ایک اعلیٰ درجے کا کتب خانہ بھی قائم کیا تھا جس میں دنیا بھر کے علوم کی کتابیں موجود تھیں۔ انھوں نے عبرانی، سنسکرت، یونانی اور فارسی زبانوں کی کئی کتابوں کا ترجمہ کروایا۔

ملکہ زبیدہ

جعفر بن منصور کی بیٹی تھیں۔ وہ ۷۶۲ء میں پیدا ہوئیں۔ ۷۸۱ء میں ان کا نکاح خلیفہ ہارون رشید سے ہوا۔ ان کا اصل نام اَمَۃ العزیز تھا لیکن ان کے حسن و جمال اور چہرے کے نکھار کے باعث دادا نے ان کا نام زبیدہ رکھا۔ اپنے نامور شوہر کی طرح وہ بھی مشہور تھیں۔ انھوں نے حاجیوں کے لیے پانی کا انتظام کرنے کے لیے ایک نہر تعمیر کروائی تھی جس کے آثار آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ نہر 'نہر زبیدہ' کے نام سے مشہور ہے۔ زبیدہ نہایت متقی اور مخیّر خاتون تھیں۔ انھوں نے علما، فضلا اور شعرا کی سرپرستی کی اور سخاوت میں بڑا نام پیدا کیا۔ ۸۳۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔

ہلاکو خان

ہلاکو ایران کے ایلخانی خاندان کا بانی اور منگول سردار چنگیز خان کا پوتا تھا۔ اس کے باپ کا نام تولی خان تھا۔ ہلاکو نے اسماعیلی حکومت کے قلعے الموت پر حملہ کرکے بغداد کو تاراج کردیا۔ لاکھوں افراد قتل کردیے گئے۔ سارے مدرسے اور کتب خانے ہلاکو کے حکم سے جلا دیے گئے۔ سب کتابیں دریا میں بہا دی گئیں۔ اس نے مصر پر بھی حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کا مقابلہ برقائی خان سے ہوا جو مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے ہلاکو کو زبردست شکست دی۔ ۱۲۶۴ء میں اس کا انتقال ہوا۔

مسجد و قلعہ (دہلی)، تاج محل (آگرہ) جیسی عمارتیں ہندوستان جا کر بنائے۔ کیا یہ مغلوں کی طرف سے تباہیِ بغداد کا نادانستہ کفارہ تھا؟ بہرحال، اے بدبخت دہلی و آگرہ! تم پھر بھی خوش نصیب ہو کہ تمھاری بہت سی عمارتیں قائم ہیں؛ اور تمھارے کھنڈر ابھی غائب نہیں ہوئے مگر اے بغداد.....!

معانی و اشارات

حرماں	–	غم، دکھ، مایوسی
جبیں پر بل نہ ہونا	–	مزاج خراب نہ ہونا
سرگرانی	–	دردِسر
مجموعۂ پانی	–	ملا جلا پانی
عراقین	–	دو عراق (شمالی/جنوبی)
خُرمِستان	–	کھجوروں کا باغ
لامتناہی	–	کبھی نہ ختم ہونے والا
مخالطہ	–	میل جول
صبّاغ	–	رنگ ریز
کفّارہ	–	قصور کا بدلہ دینا
رصدگاہ	–	آسمان کے مشاہدے کی تجربہ گاہ
خانم	–	خان کا مؤنث
ترکن	–	ترک عورت
عربن	–	عربی عورت
ولایت	–	مراد انگلستان

مشق

* فرق بتائیے یا موازنہ کیجیے۔
  سوڈان کے خرمے کے درخت
  اور
  عراقین کے نخلستان اور خرمستان
* مصنف نے بصرہ کے لوگوں کو 'زندہ انسانی پھول' کہا ہے۔ وجہ بتائیے۔
* بصرہ میں قوموں کے مخالطے پر اپنی رائے دیجیے۔
* 'مدینۃ العلم والفضل بغداد اپنی تمام فضیلت کھو بیٹھا ہے۔' اس تعلق سے دس سطروں میں اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔
* بغداد میں عرب مسلمان عورتوں اور ترک عورتوں کی طرزِ رہائش کا موازنہ کیجیے یا فرق بتائیے۔
* بغداد میں عرب مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔
* بغداد کے کھنڈرات اور ہندوستان کے کھنڈرات سے متعلق مصنف کے خیالات اپنے الفاظ میں لکھیے۔
* سبق کی روشنی میں ان جملوں کی وضاحت کیجیے:
  ۱۔ سمندر کی جبیں پر ذرا بھی بل نہ تھا۔
  ۲۔ مئی، جون میں خلیج فارس کا مزاج برہم ہوتا ہے۔

✳ محاوروں/لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

طلسم ہونا ، تاراج ہونا ، مزاج برہم ہونا ، دوڑا دوڑا پھرنا ، لامتناہی سلسلہ

✳ قوسین سے صحیح نام چن کر ستون 'الف' کے سامنے لکھیے۔

(سرسیّد احمد خان، یوسف خان کمبل پوش، شبلی نعمانی، محمد حسین آزاد)

	الف	ب
ا۔	عجائباتِ فرنگ	....
۲۔	مسافرانِ لندن	....
۳۔	سفرنامۂ روم ومصروشام	....
۴۔	سیرِ ایران	....

✳ "سنا ہے بوشہر کے انگور کھٹے ہوتے ہیں۔" مصنف کے اس بیان پر اپنی رائے دیجیے۔

✳ ہندوستان میں قوموں کے مخالطے کی مثالیں دیجیے۔

✳ ترک اپنے تئیں یوروپین سمجھتے ہیں۔

✳ نقشے پر مصنف کے سفر کے راستے کی نشان دہی کیجیے۔

✳ ہندوستان کے تاریخی مقامات کی تصویریں جمع کر کے چند سطروں میں ان کا تعارف لکھیے۔

✳ انٹرنیٹ کی مدد سے عراق، بصرہ، سوڈان کے بارے میں معلومات حاصل کیجیے۔

بابِل

اس لفظ کے معنی ہیں خدا کا شہر یا خدا کے شہر کا دروازہ۔ بابل دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے علاقے میں آباد ایک قدیم اور مشہور عراقی شہر تھا۔ سکندرِ اعظم برِصغیر سے واپسی کے بعد اسی شہر میں فوت ہوا تھا۔ یہاں سامی اور آشوری قومیں آباد تھیں جنھوں نے دو ہزار قبل مسیح سے بھی پہلے علوم وفنون، تجارت اور حکومت میں بہت ترقی کر لی تھی۔ سپتا کریب اور حمورابی نامی بادشاہوں نے اس شہر کو خوب ترقی دی، اسے باغوں اور عمارتوں سے سجا دیا۔ بابل کے جھولتے ہوئے باغات قدیم عجائب میں شمار کیے جاتے ہیں۔ حمورابی نے دنیا کو پہلی بار سماجی اور سیاسی قوانین کا پابند کیا۔ بابل کے لوگ ستارہ پرست تھے۔ انھوں نے لکھنے کا طریقہ ایجاد کیا اور پہلی بار دنیا کو حروفِ تہجّی سے آشنا کیا۔ یہ حروف مٹّی کی تختیوں پر کیلوں سے لکھے جاتے تھے۔ اسے میخی تحریر کہتے ہیں۔

✳ دیے ہوئے خانوں میں مناسب معلومات لکھیے۔

بابل کے معنی	بابل کے دریا	بابل کی قومیں	بابل کے حکمراں
↓	↓	↓	↓

بابل کی عمارتیں	بابل میں لکھنے کا طریقہ
↓	↓

بغداد

موجودہ عراق کا دار الحکومت جو دجلہ کے کنارے اور دریائے فرات سے ۲۵ میل شمال کی طرف واقع ہے۔ ۷۶۲ء میں منصور عباسی نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ دیکھتے دیکھتے یہ بڑا تجارتی مرکز بن گیا اور ہارون رشید کے عہد میں اوجِ کمال کو پہنچا۔ الف لیلہ کی داستانوں میں اس کی عظمت کا عکس نظر آتا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں یہ عراق کا دار الحکومت بنا۔ بغداد درآمد و برآمد کا بڑا مرکز اور ریلوں اور طیاروں کا مستقر ہے۔ یہاں بڑی بڑی صنعتیں قائم کی گئی ہیں جن میں تیل کی صنعت سب سے نمایاں ہے۔ دیگر صنعتوں میں بجلی، آب رسانی، اینٹ، سیمنٹ اور کپڑے کی صنعتیں شامل ہیں۔ اس شہر کے بیچوں بیچ دریائے دجلہ بہتا ہے۔ سوق العطاطیر میں عطر کی دکانیں ہیں۔ یہاں بڑی بڑی مساجد بھی ہیں۔ حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام کاظمؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، بہلول دانا، ملکہ زبیدہ اور امام یوسفؒ جیسے اکابرین کے مزارات یہاں واقع ہیں۔

انٹرنیٹ کی دنیا سے
www.hamariweb.com

۸ بخار

ڈاکٹر محمد اسد اللہ

پہلی بات: ہم اس دنیا میں راحت، چین اور اطمینان کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ لیکن غم، پریشانیاں، حادثات اور بیماریاں ہمارا سکون غارت کر دیتی ہیں۔ ان سب کے ذریعے کبھی ہماری آزمائش ہوتی ہے، کبھی ان سے ہماری شخصیت نشوونما پاتی ہے اور کبھی بدلتے ہوئے حالات میں ہمارے اندر چھپی ہوئی قوتیں اور صلاحیتیں ظاہر ہوتی ہیں۔
بخار اور بیماری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان سے ہمارے گناہ جھڑتے ہیں اور صحت یابی کے بعد ہم نئے جوش و خروش کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں شامل ہوجاتے ہیں۔

انشائیہ:
انشائیہ ایک نثری صنف ہے۔ یہ مضمون کی ایک قسم ہے۔ عام طور پر مضمون میں علمیت اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس انشائیہ میں معلومات کی بجائے خیالات اور تاثرات پیش کیے جاتے ہیں۔ انشائیہ نگار کسی موضوع کے ہلکے پھلکے پہلو کو شگفتہ انداز میں بیان کرتا ہے۔ انشایئے میں ابتدا اور اختتام لگے بندھے نہیں ہوتے۔ بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے اور انشائیہ نگار بے تکلفی کے ساتھ اظہارِ خیال کرتے ہوئے، ہمیں اپنا ہم خیال بنالیتا ہے۔
انشایئے میں موضوع کی کوئی قید نہیں بلکہ کسی بھی موضوع سے متعلق خیالات کا انوکھا پن اور تازگی ہی میں انشایئے کی خوبی چھپی ہوتی ہے۔ عام طور پر لوگ چیزوں کو جس طرح دیکھتے ہیں، ایک انشائیہ نگار بالکل الگ زاویے سے ان پر نظر ڈالتا ہے۔ چیزوں کے بارے میں عام لوگوں اور انشائیہ نگار کے خیالات مختلف ہوتے ہیں۔

جان پہچان: محمد اسد اللہ ۱۹۵۸ء میں امراوتی ضلع کے ایک قصبے ورود میں پیدا ہوئے۔ جونیئر کالج کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سے ناگپور میں سکونت پذیر ہیں۔ انھوں نے انشائیہ کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی۔ مراٹھی کے مزاحیہ ادب کے تراجم اور بچوں کے ادب پر مبنی ان کی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ 'بوڑھے کے رول میں'، انشائیہ کی روایت مشرق و مغرب کے تناظر میں'، 'پر پرزے' اور 'خواب نگر' ان کی تصانیف ہیں۔

زندگی کے معمولات سے اچانک طبیعت اُچٹ جائے، پورے وجود پر ایک تھکن سی سوار ہوجائے اور اچھا خاصا صحت مند جسم چلتے چلتے رک جائے بلکہ نخرے دِکھانے لگے تو سمجھ لیجیے آپ بخار میں مبتلا ہو چکے ہیں۔
بخار کے دوران تیمارداری کرنے والے یا مزاج پرسی کے لیے آنے والے لوگ جو راحت پہنچاتے ہیں، ان کے چند تسلّی بھرے جملوں سے جو خوشی میسر ہوتی ہے اس کی ٹھنڈک دل کے اندر تک محسوس کی جاسکتی ہے۔ یہ بھی نہ ہو تو کم از کم روزمرہ کے جھمیلوں سے چھٹکارا تو مل ہی جاتا ہے۔ اس خوشی سے وہ بچے بخوبی واقف ہیں جنھیں ہر دن، ہر حال میں بیگ اُٹھا کر اسکول جانا لازمی ہوتا ہے۔ منّت سماجت، عذر، بہانہ، غرض دنیا کی کوئی طاقت انھیں اسکول جانے سے نہیں روک پاتی۔ البتہ کسی دن صبح اُٹھ کر جب وہ اعلان کرتے ہیں کہ "مجھے بخار آ گیا ہے۔" تب امّی ان کا ماتھا چھوکر کہتی ہیں، "ارے ہاں! تمھیں تو تیز بخار ہے۔ میرے لعل! ٹھیک ہے۔ آج اسکول نہ جاؤ۔" تب بچوں کو اچانک محسوس ہوتا ہے کہ انھیں گویا الہ دین کا چراغ مل گیا ہے جس سے بخار ایک جن کی طرح نمودار ہوا اور اس نے انھیں اسکول جیسی مصیبت سے چھٹکارا دلا دیا۔ پہلی بار انھیں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے اندر بخار جیسی زبردست طاقت موجود ہے۔

ممکن ہے بخار سے متعلق ہمارے یہ خیالات کسی ایسے شخص کے لیے زخموں پر نمک کا کام دیں جس کے پیچھے بخار کسی قرض خواہ کی طرح لٹھ لیے پھر رہا ہو۔ بخار سے متعلق میں خاصا خوش گمان واقع ہوا ہوں۔ بچپن بیتے ایک عرصہ ہوا، دو ایک مرتبہ سے زیادہ حرارت سے تپتے ہوئے کسی بخار کے نرم ہاتھوں نے میرے ماتھے کو چھو کر نہیں پوچھا، "کہو اب طبیعت کیسی ہے؟" بخار میرے نزدیک ایک دلچسپ تجربہ ہے۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ بخار کسی مہمان کی طرح آتا ہے اور تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتا۔ اس کے آتے ہی ہم دوا دارو، ڈاکٹر، انجکشن وغیرہ کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ ناظرینِ باتمکین سمجھتے ہیں کہ ہم بخار کو بھگانے کی تیاری کر رہے ہیں جبکہ یہ سب اس معزز مہمان بخار کی خاطر مدارات کے لیے ہوتا ہے۔ بخار جب رخصت ہونے لگتا ہے تو مریض اس سے چپکے سے کہتا ہے کہ بھائی! کبھی کبھار آ جایا کرو۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھو، تمھارے آنے سے مجھ کولھو کے بیل کو دو تین دن کا آرام مل جائے گا ورنہ مجھے نہ میرا آفس چین لینے دیتا ہے نہ گھر کی مصروفیات ایک پل آرام کا موقع دیتی ہیں۔ میرے آرام کی فکر کسے ہے؟ تم ہی ان سب کو سمجھا سکتے ہو۔ تمھارا حکم کوئی نہیں ٹالتا۔ تمھارا حوالہ موجود نہ ہو تو چھٹی کی درخواست بھی منظور نہیں ہوتی!

وقت کا پہیا جو تیزی سے گھوم رہا ہے، ہماری روزمرہ کی مصروفیات سے عبارت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا ایک عظیم الشان مشین ہے اور انسان اس کے کروڑہا پہیوں میں سے ایک ادنیٰ پہیا ہے۔

بخار ایک بڑی طاقت کی مانند ہے جو ہماری مصروفیات کے پہیے کو یکلخت روک دیتی ہے اور ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے کہ کہیں ہمیں یہ باور کرا کے بے وقوف تو نہیں بنایا جا رہا ہے کہ سارے پہیے ہمارے ہی چلانے سے چل رہے ہیں۔

بخار میں جہاں مریض کو برے برے خواب دِکھائی دیتے ہیں، وہیں کچھ حقیقتیں بھی اس پر منکشف ہوتی ہیں۔ ان حقائق میں انسان کو اپنی بے بسی، کسمپرسی اور بے مصرفی کے چہرے دِکھائی دینے لگتے ہیں۔ انسان کے سامنے اس کی شخصیت کے دونوں پہلو آئینہ ہو جاتے ہیں کہ حد درجہ کارآمد سمجھا جانے والا یہ شخص، وقت پڑے تو اتنا ہی ناکارہ ثابت ہو سکتا ہے۔ ہماری خوبیوں اور خامیوں کے سارے پتے جب کھل جاتے ہیں اور جن پتوں پر تکیہ تھا وہ ہوا دینے لگتے ہیں۔ تب آدمی بستر پر لیٹے لیٹے غالبؔ کے اس مصرع پر غور کرتا رہ جاتا ہے ؎

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

بخار کے بارے میں لوگ باگ کچھ بھی کہیں، ڈاکٹروں کی رائے جو بھی ہو، ہمارا یقین ہے کہ بخار انسان کی ایک اندرونی ضرورت ہے۔ بخار ہماری ہڈیوں اور خون کی تہہ نشیں موجوں میں اندر ہی اندر لاوے کی طرح پکتا ہے اور بے کسی کی زندگی گزارتا ہے۔

ہماری شخصیت کے وہ عناصر جن کو عدم توجہی اور زمانے کی ناقدری کا احساس بے قرار رکھتا ہے، جسم کے اندر ایک جگہ جمع ہونے لگتے ہیں۔ ایسے تمام بے کل اجزا کا مجمع جسم کے شہر میں 'بند' کا نعرہ لگا کر ہڑتال پر نکل پڑتا ہے تب جسم و جاں سلگنے لگتے ہیں۔ بعض اوقات چھینکوں پر چھینکیں آتی ہیں۔ ٹانسل بڑھ جاتے ہیں۔ دردِ سر ہمارے پورے وجود کا احاطہ کر لیتا ہے۔ تب ہمارے آس پاس موجود لوگ چونک پڑتے ہیں، دوڑے دوڑے آتے ہیں۔ خیریت دریافت کرتے ہیں؛ ارے! کیا ہوا؟ بھئی بخار کیسے آ گیا؟ اپنی صحت کا خیال رکھو۔ اس قدر دوڑ دھوپ اچھی نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اندھا کیا چاہے ...دو آنکھیں! ہمارے اندر چھپا بیٹھا بخار بھی یہی چاہتا ہے کہ کوئی ہماری محنت و مشقت کا اعتراف کرے، ہمارے حال پر ترس کھا کر ہمدردی کے دو میٹھے بول سے ہمارا کلیجا ٹھنڈا کرے۔ عام حالت میں یہ ساری فضا مفقود تھی۔ بخار کے آتے ہی موسم بدل جاتا ہے۔

بخار کی آمد سے پہلے اور اس کے جانے کے بعد لوگ ہمیں اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی اخبار پر سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھ جائے۔ بخار کے آتے ہی ہم ایک خاص خبر بن جاتے ہیں۔ زندگی کا اصل مزہ تو انھی لمحات میں ہے جب آپ کسی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔ بخار کی حالت میں ہمارے عزیز و اقارب اور دوست ہمارے قریب آ جاتے ہیں۔ ان کے چہروں پر محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات اُبھرنے لگتے ہیں۔

اس حالت میں ہم سے ملنے والا ہر شخص ایک نیا انسان ہوتا ہے۔ کوئی چیز تھی جو لوگوں میں چھپی ہوئی تھی۔ بخار اسے بہزار حیلے ڈھونڈ نہ نکالتا تو وہ آپ کو کبھی نظر نہ آتی۔

آپ کی بیماری کی خبر ملتے ہی کوئی شخص عیادت کے لیے آیا تو ایسا محسوس ہوا گویا اس کے اندر ایک الگ قسم کا انسان بھی تھا، مزاج پرسی کے لمحوں میں وہ معصوم، نرم دل، اپنائیت سے بھرپور اور پیارا سا انسان کھٹ سے باہر نکل آیا اور ہر طرف ایک خوشگوار سی محبت بھری فضا قائم ہوگئی۔

معانی و اشارات

روزمرہ	-	ہر روز، ہمیشہ، آئے دن
جھمیلا	-	جھگڑا، بکھیڑا، ناپسند حالات
منّت سماجت	-	خوشامد
عذر	-	بہانہ، حیلہ، انکار، معافی
خوش گمان	-	خوش خیال
کولھو کا بیل	-	نہایت محنتی، محنت کش
باور کرانا	-	بھروسا دلانا، یقین دلانا
منکشف ہونا	-	ظاہر ہونا
حقائق	-	حقیقت کی جمع، اصل حالات، سچی باتیں
کسمپرسی	-	ایسی حالت جس میں کوئی پرسانِ حال نہ ہو
بے مصرفی	-	نکمّا پن، بے کاری
عدم توجہی	-	توجہ کا نہ ہونا
ٹانسل	-	حلق کے غدود
کلیجا ٹھنڈا کرنا	-	جی خوش کرنا، تسلی دینا
مفقود ہونا	-	غائب ہونا، ناپید ہونا، لاپتا ہونا
بہزار حیلے	-	مختلف بہانوں سے

مشق

* خط کشیدہ الفاظ کے لیے مناسب محاوروں کا استعمال کر کے جملے دوبارہ لکھیے۔

	بیانات	محاورے
ا۔	برسوں بعد بیٹے کی واپسی پر ماں بہت خوش ہوئی۔	تکیہ کرنا
۲۔	کھٹملوں اور مچھروں کے پریشان کرنے سے میری آنکھ کھل گئی، پھر مجھے نیند نہیں آئی۔	کلیجا ٹھنڈا ہونا
۳۔	بچی کی شادی کے وقت رشتے داروں سے بڑی اُمیدیں تھیں۔	اُچٹ جانا

* سبق کی روشنی میں جملے درست کیجیے۔

ا۔ صحت مند جسم گرم ہو جائے تو سمجھیے آپ بخار میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

۲۔ تیمارداری کرنے والوں کے جملے سے جو کڑھن ہوتی وہ دِل کو محسوس کر جاتی ہے۔

۳۔ ڈاکٹر کے آتے ہی ہم دوا دارو، انجکشن کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

۴۔ بیماری بڑی طاقت ہے جو ہماری مصروفیات کے پہیے کو یکلخت روک دیتا ہے۔

* الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

تیمارداری، مزاج پرسی، خوش گمان، چارہ گر، نوحہ خواں

* 'گردشِ ایام' کا مطلب واضح کیجیے۔
* رواں خاکے کی مدد سے واقعے کو مکمل کیجیے۔

۱۔ زندگی کے معمولات سے –

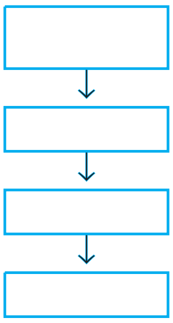

* 'چچا چھکن کی تیمارداری' کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ 'تیمارداری' کو مرکزی خیال بناتے ہوئے پندرہ سطروں کا مزاحیہ مضمون لکھیے۔
* اگر کبھی آپ بخار میں مبتلا ہوئے ہوں تو اس وقت کی کیفیت اور مزاج پرسی کرنے والوں کے تاثرات لکھیے۔
* علاج کے کئی طریقے ہیں۔ اس اعتبار سے ڈاکٹروں کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ نیچے دی گئی ڈگریوں کو طریقۂ علاج کے مطابق صحیح مقام پر لکھیے۔

۱۔	ایم بی بی ایس	ہومیوپیتھی
۲۔	بی یو ایم ایس	آیوروید ک
۳۔	بی اے ایم ایس	یونانی
۴۔	بی ایچ ایم ایس	دانتوں کا ڈاکٹر
۵۔	بی ڈی ایس	ایلوپیتھی

* درج بالا ڈگریوں کے نام مکمل صورت میں لکھیے۔

عملی قواعد

واحد	لڑکا	پری	کتاب	چڑیا
جمع	لڑکے	پریاں	کتابیں	چڑیاں

اوپر کے خاکے کے مطابق واحد کو جمع بنانے کے بارے میں آپ پچھلی جماعتوں میں معلومات حاصل کر چکے ہیں۔

اب ذیل کے خاکے میں واحد/جمع لفظوں کو بغور پڑھیے۔

واحد	کتاب	خبر	تصویر	حالت
جمع	کتابیں / کتب	خبریں / اخبار	تصویریں / تصاویر	حالتیں / حالات

ان مثالوں میں جمع کے پہلے کالم میں واحد لفظوں کی اُردو جمع بتائی گئی ہے۔ انھی لفظوں کی عربی جمع بھی، جو دوسرے کالم میں دی گئی ہے، اُردو میں استعمال کی جاتی ہے۔

عربی جمع بنانے کے اور بھی طریقے ہیں مثلاً

واحد	منظر	قصر	محل	ذکر
جمع	مناظر	قصور	محلات	اذکار
واحد	ظرف	سامع	رب	طالب
جمع	ظروف	سامعین	ارباب	طلبہ

اس جدول میں جس طرح واحد لفظوں کی عربی جمع بنائی گئی ہے اسی طرح ذیل کے لفظوں کی جمع لکھیے۔

واحد	منزل	شہر	خیال	فکر
جمع	....	....	....	....
واحد	رسم	حاضر	ضد	فقیر
جمع	....	....	....	....

اُردو میں عربی جمع کی طرح بہت سے فارسی الفاظ بھی جمع کی صورت میں استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً

ع : موجِ دریا کی قسم ، بادِ بہاراں کی قسم
ع : سیل دیکھے ہیں کوہساراں کے
ع : یہاں اک شہر تھا ، شہرِ نگاراں
ع : قافلہ تھا کہ نہیں، ہم سفراں تھے کہ نہیں

ان مصرعوں میں 'بہاراں، کوہساراں، نگاراں، ہم سفراں' کے الفاظ 'بہار، کوہسار، نگار، ہم سفر' کی جمع ہیں۔ فارسی میں اکثر لفظ کے آخر میں 'اں' بڑھا کر جمع بناتے ہیں۔

* درج ذیل الفاظ کی جمع بنائیے۔

مرد، زن، چراغ، شب، درخت، یار

۹ سَیر پہلے درویش کی

میر امّن

پہلی بات : اُردو نثر اپنے ابتدائی زمانے (اٹھارہویں صدی) میں قرآن اور مذہبی رسالوں کے ترجموں، مختصر اور طویل قصے کہانیوں اور اخلاقی نصیحتوں کے عربی فارسی اسالیب میں نمو پا رہی تھی۔ یہ ہمارے زمانے کی بول چال کی زبان کی طرح نہیں تھی۔ انگریزی سرکار نے اپنے ملازموں اور فوجیوں کی تعلیم کے لیے ہندوستان میں جب درسی نصاب تیار کیا تو عام نثری زبان کے نمونے اس کے سامنے نہیں تھے۔ کولکاتا کے فورٹ ولیم کالج میں درسی کتابوں کی تیاری کے لیے ایسے منشی مقرر کیے گئے جو سرکاری حکم کے مطابق اُردو نظم و نثر کا تعلیمی مواد تیار کرتے۔ اس ضمن میں کچھ داستانیں مثلاً حاتم طائی اور چار درویشوں کے قصے عام گفتگو کی نثر میں لکھوائے گئے۔

چار درویشوں کا قصہ فارسی اور فارسی جیسی دقیق اُردو میں خاصا مقبول تھا۔ میر عطا حسین خاں تحسینؔ نے اس کا ترجمہ 'نوطرزِ مرصّع' کے نام سے کیا تھا لیکن اس ترجمے کی زبان عام بول چال کی زبان نہیں ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل جان گلکرسٹ نے اس قصے کو میر امّن دلّی والے سے لکھوایا۔ اس کا نام 'باغ و بہار' رکھا گیا۔ 'باغ و بہار' ایک مختصر داستان ہے۔

داستان کہانی سنانے کا ایک طریقہ ہے جس میں ایک کہانی میں کئی کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ چار درویش اپنی اپنی کہانی سناتے اور ان کی کہانیوں میں بھی کئی چھوٹی چھوٹی کہانیاں شامل نظر آتی ہیں۔ کبھی ان کہانیوں میں ہلکا سا ربط بھی نظر آتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ داستان میں سنائی جانے والی کہانیوں کا آپس میں کوئی ربط بھی ہو۔ داستان میں ایک مرکزی کردار ہوتا ہے۔ کسی بڑی مہم کو سر کرنے کے لیے وہ کئی طرح کے خطرناک مرحلوں سے گزرتا ہے۔ جب وہ مہم سر ہوجاتی ہے تو ایک خاص منزل پر داستان اپنے انجام تک پہنچتی ہے۔ عام طور پر داستانوں کا انجام خوش گوار ہوتا ہے۔ داستان میں دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سننے یا پڑھنے والے کے تحیّر اور تجسّس کو قائم رکھے۔ مافوق الفطرت عناصر اور کردار بھی داستان کے تحیّر کی فضا کو قائم رکھنے میں معاون ہوتے ہیں۔ داستان کو ایک کے بعد ایک کئی مراحل سے گزارا جاتا ہے اور اس کے بیان میں زبان ایسی استعمال کی جاتی ہے کہ داستان کی طوالت اُکتاہٹ کا سبب نہیں بننے پاتی۔

تاریخ کے جھروکے سے...

اٹھارہویں صدی کے آخر میں ٹیپو سلطان کی شہادت (۱۷۹۹ء) کے بعد انگریز جنوبی ہندوستان کے بڑے حصے پر قابض ہوگئے۔ اس وقت حکومت کی دفتری زبان فارسی تھی لیکن عوامی سطح پر بولی اور سمجھی جانے والی زبان اُردو تھی۔ انگریز گورنر جنرل ویلزلی نے انگلینڈ سے آنے والے نئے حکام اور عام ملازمین کو دیسی زبان سے واقف کرانے کے مقصد کے تحت ۴ مئی ۱۸۰۰ء کو ایک مستقل تعلیمی ادارے 'فورٹ ولیم کالج' کی بنیاد ڈالی۔ ویلزلی نے کالج میں کئی شعبے قائم کیے اور لائق اساتذہ کا تقرر کیا۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ کو ہندوستانی زبان کے شعبے کا صدر منتخب کیا۔ گلکرسٹ نے ہندوستانی انگریزی لغت، ہندوستانی علم اللسان، اُردو صرف و نحو اور مشرقی زباندانی جیسے موضوعات پر مشتمل تقریباً ڈیڑھ درجن کتابیں لکھی ہیں۔ انھوں نے نہ صرف خود تصنیف و تالیف کا کام کیا بلکہ اس عہد کے کئی نامور نثر نگاروں کی خدمات حاصل کیں اور ان سے ایسی کتابیں ترجمہ، تصنیف و تالیف کرائیں جن میں سے اکثر آج بھی بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

اس سبق کا عنوان 'سیر پہلے درویش کی' ہے۔ لفظ 'سیر' یہاں عام قسم کے سیر سپاٹے کا بیان نہیں بلکہ درویش کی زندگی میں کیسے کیسے واقعات پیش آئے، اس کا تعلق کن لوگوں سے تھا، کہانی سنانے والے نے ان کے ساتھ کیسے حالات دیکھے اور اس کی زندگی کے سفر کا انجام کیا ہوا، یہ ساری باتیں لفظ 'سیر' کے مفہوم کو ظاہر کرتی ہیں۔

میں یہاں بھی ہوں !

آٹھویں جماعت - اُردو بال بھارتی - ص ۳۹

جان پہچان : میراَمّن کے حالات پوری طرح معلوم نہیں البتہ ان کے متعلق چند باتیں معروف ہیں۔ وہ ۱۷۵۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام میر امان بھی بتایا جاتا ہے۔ ان کا تخلص لطفؔ تھا۔ وہ فارسی کے عالم تھے۔ انھوں نے فارسی تصنیف 'اخلاق حسنیٰ' کا اُردو ترجمہ 'گنجِ خوبی' کے نام سے کیا ہے۔ احمد شاہ ابدالی کے حملے کے بعد دہلی جب برباد ہوگئی تو میر امن عظیم آباد (پٹنہ) جا بسے۔ یہاں بھی ان کے حالات ناساز گار رہے تو انھوں نے کلکتے کی راہ لی۔ یہاں کچھ دنوں بعد فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل ڈاکٹر جان گلکرسٹ تک ان کی رسائی ہوئی جنھوں نے منشی کے عہدے پر ان کا تقرر کردیا۔ وہ پانچ برس کالج میں ملازم رہے۔ اس مدت میں انھوں نے 'باغ و بہار' تصنیف کی۔ 'باغ و بہار' پر میراَمّن کو کالج کی طرف سے پانچ سو روپے انعام دیے گئے۔ ۱۸۳۷ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

پہلا درویش دوزانو ہو بیٹھا اور اپنی سیر کا قصہ اس طرح سے کہنے لگا:

ذرا اِدھر متوجہ ہو اور ماجرا اِس بے سروپا کا سنو۔ اے یاراں! میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا ملکِ یمن ہے۔ والد اِس عاجز کا مَلِکُ التُّجار، خواجہ احمد نام، بڑا سوداگر تھا۔ اُس وقت میں کوئی مہاجن یا بیپاری اُن کے برابر نہ تھا۔ اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے اور لاکھوں روپے نقد اور جنس ملک ملک کی گھر میں موجود تھی۔ اُن کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے؛ ایک تو یہی فقیر جو کفنی، سیلی پہنے ہوئے، مرشدوں کی حضوری میں حاضر اور بولتا ہے۔ دوسری ایک بہن، جس کو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی اور شہر کے سوداگر بچے سے شادی کر دی تھی، وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔

غرض جس کے گھر میں اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو، اُس کے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا! مجھ فقیر نے بڑے چاو چوز سے ماباپ کے سایے میں پرورش پائی اور پڑھنا لکھنا، سپاہ گری کا کسب و فن، سوداگری کا بہی کھاتا، روزنامہ سیکھنے لگا۔ چودہ برس تک نہایت خوشی اور بے فکری میں گزری۔ کچھ دنیا کا اندیشہ دل میں نہ آیا۔ یک بہ یک ایک ہی سال میں والدین قضائے اِلٰہی سے مرگئے۔ عجب طرح کا غم ہوا، جس کا بیان نہیں کرسکتا۔ ایک بارگی یتیم ہوگیا، کوئی سر پر بوڑھا بڑا نہ رہا۔ اِس مصیبتِ ناگہانی سے رات دن رویا کرتا تھا، کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔

چالیس دن جوں توں کر کٹے۔ چہلم میں اپنے بیگانے، چھوٹے بڑے جمع ہوئے۔ جب فاتحہ سے فراغت ہوئی، سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی اور سمجھایا: دنیا میں سب کے ماباپ مرتے آئے ہیں اور اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے؛ پس صبر کرو، اپنے گھر کو دیکھو۔ اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے، اپنے کاروبار، لین دین سے ہوشیار رہو۔ تسلّی دے کر وو رخصت ہوئے۔ گماشتے، کاروباری، نوکر چاکر جتنے تھے، آن کر حاضر ہوئے، نذریں دیں اور بولے: کوٹھے نقد و جنس کے اپنی نظرِ مبارک سے دیکھ لیجے۔ ایک بارگی جو اُس دولتِ بے انتہا پر نگاہ پڑی، آنکھیں کھل گئیں۔ دیوان خانے کی تیاری کا حکم کیا۔ فراشوں نے فرش فروش بچھا کر چھت، پردے، چلوَنیں تکلف کی لگادیں۔ اور اچھے اچھے خدمت گار دیدارُو نوکر رکھے، سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوادیں۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا۔ ویسے ہی آدمی غنڈے، پھانکڑے، مفت پر کھانے پینے والے، جھوٹھے، خوشامدی آ کر آشنا ہوئے اور مصاحب بنے۔ اُن سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی۔ ہر کہیں کی باتیں اور زٹلّیں، واہی تباہی اِدھر اُدھر کی کرتے اور کہتے: اِس جوانی کے عالم میں کیتکی کی شراب یا گُل گلاب کھنچوائیے اور عیش کیجیے۔

غرض، آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا۔ شراب، ناچ اور جوئے کا چرچا شروع ہوا۔ پھر تو یہ نوبت پہنچی کہ سوداگری بھول کر، تماش بینی کا اور دینے لینے کا سودا ہوا۔ اپنے نوکر اور رفیقوں نے جب یہ غفلت دیکھی؛ جو جس کے ہاتھ پڑا، الگ کیا۔ گویا لوٹ مچادی۔ کچھ خبر نہ تھی، کتنا روپیا خرچ ہوتا ہے، کہاں سے آتا ہے اور کیدھر جاتا ہے۔ مالِ مفت دلِ بے رحم۔ اِس وَرخرچی کے آگے اگر گنجِ قارُون کا ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں ایک بارگی یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی

رہی۔ وہ آشنا، جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چمچا بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے، کافور ہو گئے؛ بلکہ راہ باٹ میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی تو آنکھیں چرا کر منہ پھیر لیتے۔ اور نوکر چاکر، خدمت گار، بہیلیے، ڈھلَیت، خاص بردار، ثابت خانی؛ سب چھوڑ کر کنارے لگے۔ کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا جو کہے: یہ کیا تمھارا حال ہوا؟ سوائے غم اور افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا۔ اب دمڑی کی ٹھڈّیاں میسّر نہیں جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کڑاکے کے کھینچے، تاب بھوٗکھ کی نہ لا سکا؛ لاچار بے حیائی کا برقع منہ پر ڈال کر، یہ قصد کیا کہ بہن کے پاس چلیے؛ لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد نہ بہن سے کچھ سلوک کیا نہ خالی خط لکھا؛ بلکہ اُس نے دو ایک خط خطوط ماتم پرسی اور اِشتیاق کے جو لکھے، اُن کا بھی جواب اُس خوابِ خرگوش میں نہ بھیجا۔ اِس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا، پر سوائے اُس گھر کے اور کوئی ٹھکانا نظر میں نہ ٹھہرا۔ جوں توں پا پیادہ، خالی ہاتھ، گرتا پڑتا، ہزار محنت سے کئی منزلیں کاٹ کر، ہمشیر کے شہر میں جا کر اُس کے مکان پر پہنچا۔

وہ ماجائی میرا یہ حال دیکھ کر، بلائیں لے اور گلے مل کر بہت روئی۔ تیل، ماش اور کالے ٹکے مجھ پر سے صدقے کیے، کہنے لگی: اگرچہ ملاقات سے دل بہت خوش ہوا، لیکن بھیا! تیری یہ کیا صورت بنی؟ اِس کا جواب مَیں کچھ نہ دے سکا، آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر چپکا ہو رہا۔ بہن نے جلدی خاصی پوشاک سلوا کر حمام میں بھیجا۔ نہا دھو کر وہ کپڑے پہنے۔ ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا، تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا۔ صبح کو شربت اور لَوزِیات، حلوا سوہن، پستہ، مغزی ناشتے کو؛ اور تیسرے پہر میوے خشک و تر، پھل پھلاری؛ اور رات دن دونوں وقت پلاؤ، نان، قلیے، کباب تحفہ تحفہ، مزے دار منگوا کر اپنے روبرو کھلا کر جاتی، سب طرح خاطر داری کرتی۔ میں نے ویسی تصدیع کے بعد جو یہ آرام پایا، خدا کی درگاہ میں ہزار ہزار شکر بجا لایا۔ کئی مہینے اِس فراغت سے گزرے کہ پانو اُس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

ایک دن وہ بہن (جو بجائے والدہ کے، میری خاطر رکھتی تھی) کہنے لگی: اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پُتلی اور ماباپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے، تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا، جب تجھے دیکھتی ہوں، باغ باغ ہوتی ہوں، تو نے مجھے نہال کیا؛ لیکن مردوں کو خدا نے کمانے کے لیے بنایا ہے، گھر میں بیٹھے رہنا اُن کو لازم نہیں۔ جو مرد نکھٹّو ہو کر گھر سیتا ہے اُس کو دنیا کے لوگ طعنہ مہنا دیتے ہیں۔ خصوٗص اِس شہر کے آدمی، چھوٹے بڑے، بے سبب تمھارے رہنے پر کہیں گے: اپنے باپ کی دولتِ دنیا کھو کھا کر، بہنوئی کے ٹکڑوں پر آ پڑا۔ یہ نہایت بے غیرتی اور میری تمھاری ہنسائی اور ماباپ کے نام کو سبب لاج لگنے کا ہے۔ نہیں تو میں اپنے چمڑے کی جوٗتیاں بنا کر تجھے پہناؤں اور کلیجے میں ڈال رکھوں۔ اب یہ صلاح ہے کہ سفر کا قصد کرو، خدا چاہے تو دِن پھریں اور اِس حیرانی اور مفلسی کے بدلے، خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو۔

یہ بات سن کر مجھے بھی غیرت آئی، اُس کی نصیحت پسند کی، جواب دیا: اچھا! اب تم ما کی جگہ ہو، جو کہو، سو کروں۔ یہ میری مرضی پا کر، گھر میں جا کے، پچاس توڑے اشرفی کے اَصیل اور لونڈیوں کے ہاتھوں میں لوا کر میرے آگے لا رکھے اور بولی: ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے؛ تم اِن روپیوں سے جنس تجارت کی خرید کرو۔ ایک تاجر ایمان دار کے حوالے کر کے، دستاویز پکّی لکھوا لو اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو۔ وہاں جب خیریت سے جا پہنچو؛ اپنا مال مع منافع سمجھ بوجھ لیجو، یا آپ بیچیو۔

میں وہ نقد لے کر بازار میں گیا۔ اسباب سوداگری کا خرید کر ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا، نوشت خواند سے خاطر جمع کر لی۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ فقیر نے خشکی کی راہ چلنے کی تیاری کی۔ جب رخصت ہونے لگا؛ بہن نے ایک سرے پاو بھاری اور ایک گھوڑا جڑاؤ ساز سے تواضع کیا۔ اور مٹھائی، پکوان ایک خاص دان میں بھر کر ہرنے سے لٹکا دیا اور چھاگل پانی کی شکار بند

میں بندھوادی۔ امام ضامن کا روپیا میرے بازو پر باندھا۔ دہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر، آنسو پی کر بولی: سدھارو، تمھیں خدا کو سونپا! پیٹھ دِکھائے جاتے ہو، اسی طرح جلد اپنا منہ دِکھائیو! میں نے فاتحہ خیر کی پڑھ کر کہا: تمھارا بھی اللہ حافظ ہے۔ میں نے قبول کیا! وہاں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور خدا کے توکل پر بھروسا کر کے، دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس جا پہنچا۔

معانی و اشارات

بے سروپا – بے معنی، فضول

ملک التجار – تاجروں کا بادشاہ، بہت بڑا تاجر

مہاجن – مالدار، سیٹھ

بیپاری – تاجر، بیوپاری

گماشتے – دلال

کفنی – لمبا کرتا

سَیلی – کالے ریشم کی بنی ہوئی ڈوری جسے گلے میں پہنتے ہیں۔

حضوری میں – سامنے

قبلہ گاہ – مراد والد

اور شہر – دوسرا شہر

ما – ماں (’ما‘ پرانا اِملا ہے)

چاوچوز – لاڈ پیار

کسب – حاصل

بہی کھاتا – حساب کتاب

روزنامہ – وہ بیاض جس میں بیوپاری روز کا حساب کتاب لکھتے ہیں، بہی کھاتا

قضائے الٰہی – اللہ کی مرضی

ایک بارگی – اچانک

مصیبتِ ناگہانی – اچانک آنے والی مصیبت

فراغت – فرصت

اپنے تئیں – خود

وو – وہ (’وو‘ پرانا اِملا ہے)

آنکھیں کھل جانا – حیران رہ جانا

فرّاش – فرش بچھانے والا

چلوَن – چلمن، پردہ

تکلف کی – عمدہ

دیدارُو – خوب صورت

پھانکڑے – لفنگے، بدمعاش

آٹھ پہر – ہر وقت

صحبت رہنا – تعلق/ دوستی رہنا

ژٹلّیں – فضول باتیں (واحد: ژٹل)

واہی تباہی – بکواس

کیتکی – ایک خوشبودار پودا

آدمی کا شیطان آدمی ہے – (کہاوت) آدمی ہی آدمی کو بہکاتا ہے

نوبت – باری، حالت

کیدھر – کدھر (’کیدھر‘ پرانا املا ہے)

مالِ مفت دلِ بے رحم – (کہاوت) مفت کے مال کو بے حساب خرچ کرنا

وَرخرچی – فضول خرچی

قارُون – حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں ایک بہت دولت مند آدمی جس کے خزانوں کی چابیاں چالیس اونٹ اُٹھاتے تھے۔

وفا نہ کرنا – ساتھ نہ دینا

دانت کاٹی روٹی کھانا – گہری دوستی ہونا

کافور ہوجانا – غائب ہوجانا، ساتھ چھوڑ کر چلے جانا

راہ باٹ میں – راستہ چلتے ہوئے

بہیلیے – بہیلیا کی جمع، شکار کے وقت تیر کمان لے کر چلنے والے ملازم، پرندوں کے شکاری

ڈھلیت	-	لگام تھام کر چلنے والے ملازم
خاص بردار	-	بندوق اُٹھا کر چلنے والے ملازم
ثابت خانی	-	ہتھیار سے لیس سپاہی
ٹھڈّیاں	-	ٹھڈی کی جمع، بھُونے ہوئے اناج کے دانے جو پوری طرح کھلتے نہیں
بھوکھ	-	بھوک ('بھوکھ' پرانا املا ہے)
بے حیائی کا برقع منہ پر ڈال کر		ڈھیٹ پن سے
اشتیاق	-	شوق، چاہت
خوابِ خرگوش	-	بے پروائی
ہمشیر	-	بہن
ماجائی	-	بہن
تیل، ماش اور کالے ٹکے صدقے کرنا		نظر اُتارنا
خاصی	-	عمدہ
لوزیات	-	لوز کی جمع، بادام کی برفی جس میں دوسرے میوے بھی ملائے جاتے ہیں۔
مغزی	-	بادام پستے کا سفید حلوا
تحفہ تحفہ	-	طرح طرح کے
تصدیع	-	تکلیف
پانو	-	پاؤں ('پانو' پرانا املا ہے)
خلوت	-	تنہائی
خاطر رکھنا	-	خیال رکھنا
بیرن	-	بھائی
آنکھوں کی پتلی	-	بہت قریبی، پیارا
موئی مٹی	-	مردہ مٹی، جن کا انتقال ہو چکا ہو

نہال کرنا	-	خوش کر دینا
گھر سینا	-	گھر میں بے کار پڑے رہنا
طعنہ مہنا دینا	-	طعنے دینا، طنز کرنا
ہنسائی	-	بے عزّتی
اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر پہنانا		مراد حد سے زیادہ محبت کرنا
کلیجے میں ڈال رکھنا	-	بہت محبت کرنا
خاطر جمعی	-	اطمینان
توڑے	-	توڑا کی جمع (ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی)
اصیل	-	نوکرانی
دست آویز	-	دستاویز، عہد نامہ
نوشت خواند	-	لکھا پڑھی
سرے پاو	-	کپڑوں کا پورا جوڑا
جڑاؤ	-	نگینے جڑا ہوا
تواضع کرنا	-	پیش کرنا
خاص دان	-	ٹفن، توشہ دان
ہرنا	-	گھوڑے کی کاٹھی کا وہ حصہ جس سے کچھ سامان لٹکایا جاسکتا ہے۔
امام ضامن کا روپیا	-	ایک رسم کے مطابق سفر پر جانے والے کے بازو پر شگون کے لیے باندھا جانے والا روپیا
دہی کا ٹیکا لگانا	-	سفر پر جانے والے کی پیشانی پر نیک شگون کے لیے دہی لگایا جاتا ہے
دو منزل کی ایک منزل کرتے ہوئے		تیز رفتاری سے

انٹرنیٹ کی دنیا سے

- www.urducouncil.nic.in
- www.urduword.com
- www.urdulibrary.org
- www.urdulibrary.paigham.net
- www.afsaney.com
- www.urdustudies.com

مشق

* سبق کا مطالعہ کرکے ویب خاکہ مکمل کیجیے۔

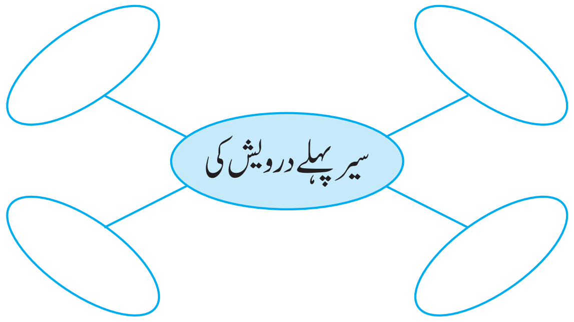

* الفاظ اور معنی کی صحیح جوڑیاں لگائیے۔

الفاظ	معنی
گماشتے	دلال
پھانکڑے	تیر کمان لے کر چلنے والے ملازم
مصاحب	بندوق اُٹھا کر چلنے والے ملازم
بہلیے	ہتھیار سے لیس سپاہی
خاص بردار	لفنگے، بدمعاش
ثابت خانی	لگام تھام کر چلنے والے ملازم
	ہمیشہ ساتھ رہنے والے

* درج ذیل محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

آنکھیں کھل جانا، وفا نہ کرنا، دانت کاٹی روٹی کھانا، کافور ہوجانا، تاب نہ لانا۔

* خود کو پہلا درویش تصوّر کرکے داستان کا یہ حصہ ہمارے زمانے میں بولی جانے والی زبان میں مختصراً بیان کیجیے۔

* درج ذیل جملے کہنے والوں کے نام لکھیے۔

۱۔ "اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے، اپنے کاروبار، لین دین سے ہوشیار رہو۔"

۲۔ "کوٹھے نقد وجنس کے اپنی نظرِ مبارک سے دیکھ لیجے۔"

۳۔ "غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا۔"

۴۔ "اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماباپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔"

* نیچے دیے ہوئے جملوں کے خط کشیدہ الفاظ کا استعمال متروک ہو چکا ہے۔ ان کی جگہ مناسب لفظ کا انتخاب کرکے جملے دوبارہ اس طرح لکھیے کہ ان کا مفہوم تبدیل نہ ہو۔

۱۔ مجھ فقیر نے بڑے چاو چوز سے ماباپ کے سایے میں پرورش پائی۔

۲۔ مال مفت دل بے رحم، اس وَرخرچی کے آگے اگر گنج قارون کا ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔

۳۔ اے بیرن! تو میری آنکھوں کی پتلی اور ماباپ کی موئی مٹی کی نشانی ہے۔

۴۔ خدا کے توکل پر بھروسا کرکے دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس جا پہنچا۔

* ہدایات کے مطابق عمل کیجیے۔

۱۔ سبق میں 'بہن' کے لیے دو الگ الگ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ انھیں لکھیے۔

۲۔ 'قضائے الٰہی' کو اپنے جملے میں استعمال کیجیے۔

۳۔ 'آدمی کا شیطان آدمی ہے۔' اس کہاوت کا مفہوم واضح کیجیے۔

۴۔ 'سیر پہلے درویش کی' سبق سے پانچ محاورے تلاش کرکے لکھیے۔

۵۔ 'نوشت خواند سے خاطر جمع کر لی۔' جملے کا مطلب لکھیے۔

۶۔ تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا، جب تجھے دیکھتی ہوں باغ باغ ہوتی ہوں۔ اس جملے سے محاورے تلاش کرکے لکھیے۔

* جملے میں خط کشیدہ لفظوں کی جگہ اقتباس میں آئے ہوئے الفاظ لکھیے۔

۱۔ چہلم میں سب دور قریب کے رشتہ دار جمع ہوئے۔

۲۔ جب دعوت سے فرصت ہوئی تو سب نے باپ کی ٹوپی پہنائی۔

۳۔ لاچار بے حیائی کا برقع پہن کر بہن کی طرف چلنے کا ارادہ کیا۔

۴۔ شب و روز پلاؤ، نان قلیے، طرح طرح کے کباب منگوا کر کھلا کر جاتی۔

۵۔ امام ضامن کا روپیا ماتھے پر باندھا اور دہی کا ٹیکا بازو میں دیا۔

* ذیل کے جملوں پر اظہارِ خیال کیجیے۔

ا۔ جوانی کے عالم میں کیتکی کی شراب یا گلِ گلاب کھنچوائیے اور عیش کیجیے۔

۲۔ بری صحبت کے مضر اثرات

۳۔ اگر آپ کسی طرح دولت مند ہو جاتے ہیں۔

عملی قواعد

مفرد جملہ

ا۔ پہلا درویش دوزانو ہو بیٹھا۔

۲۔ ان کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے۔

۳۔ وہ اپنی سسرال میں رہتی تھی۔

۴۔ چالیس دن جوں توں کر کے کٹے۔

۵۔ آدمی کا شیطان آدمی ہے۔

۶۔ فقیر مسند پر بیٹھا۔

ان جملوں کو غور سے پڑھیے۔ ہر جملہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے جیسے

پہلا درویش	-	دوزانو ہو بیٹھا
ان کے یہاں	-	دو بچے پیدا ہوئے

جملے کی اس قسم کے بارے میں آپ گزشتہ جماعتوں میں پڑھ چکے ہیں کہ اس قسم کے جملے کے اجزا **مبتدا** اور **خبر** کہلاتے ہیں۔ جس جملے میں صرف یہ دو اجزا پائے جاتے ہوں، اسے 'مفرد جملہ' کہتے ہیں۔

* اوپر کے باقی چار جملوں کو مبتدا اور خبر میں تقسیم کیجیے۔ سبق 'سیر پہلے درویش کی' سے دوسرے مفرد جملے تلاش کر کے لکھیے۔

مرکب جملہ

ا۔ کئی مہینے اس فراغت سے گزرے/ کہ/ پانو اس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

۲۔ تحسین نے اس کتاب کا ترجمہ 'نوطرزِ مرصع' کے نام سے کیا تھا/لیکن/اس ترجمے کی زبان عام بول چال کی نہیں ہے۔

۳۔ دنیا میں سب کے ماباپ مرتے آئے ہیں/ اور/ اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے۔

اوپر دی ہوئی مثالوں کے جملے دو دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ان مثالوں میں 'کہ، لیکن، اور' (ترچھے خطوط کے درمیان لکھے ہوئے الفاظ) اپنے سے پہلے اور بعد میں آنے والے جملوں کو جوڑ رہے ہیں۔ اس طرح جڑے ہوئے دو جملوں کے مجموعے کو **مرکب جملہ** کہتے ہیں۔

مرکب جملہ دراصل دو مفرد جملوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ان میں ہر جملہ پورے معنی دیتا ہے۔ یہ جملہ 'کہ/لیکن/ اور' لفظوں کے علاوہ 'پھر/ ورنہ/مگر/ یا' وغیرہ سے بھی جوڑ کر بنایا جاسکتا ہے۔

* نیچے دیے ہوئے جملوں کو قوسین میں دیے ہوئے لفظوں سے جوڑ کر مرکب جملے بنائیے۔

ا۔ میں نے بہت دیر اس کا انتظار کیا.........وہ مجھ سے ملنے نہ آیا۔ (اور - مگر - پھر)

۲۔ کھانا کھاؤ........دودھ پی کر سو جاؤ۔(نہ-یا-اور)

۳۔ پہلے ہم نے ملاقات کا وقت طے کر لیا.........ٹھیک وقت پر باغ میں پہنچ گئے۔ (پھر -تب - اور)

اضافی معلومات

'نوطرزِ مرصّع' فارسی کے مشہور قصّے 'قصۂ چہار دُرویش' کا اُردو ترجمہ ہے۔ اس کی زبان مرصّع اور دقیق ہے۔ جان گلکرسٹ نے میر امّن سے اسی قصّے کو آسان اُردو میں لکھنے کے لیے کہا تھا۔ میر امّن نے ترجمے کا یہ کام ۱۸۰۱ء میں شروع کیا اور ۱۸۰۲ء میں 'باغ و بہار' کے نام سے مکمل کر دیا۔ اس کتاب میں روزمرہ کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ 'باغ و بہار' میں دہلی کے رسم و رواج، لباس و غذا، مشاغل وغیرہ کا نہایت خوش اسلوبی سے بیان ہوا ہے۔ اُردو کی نثری داستانوں میں اسے زبان و بیان کے اعتبار سے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے۔ دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گئے ہیں۔ اُردو زبان و ادب کا فرانسیسی عالم گارساں دتاسی اس کتاب کا بڑا شیدائی تھا۔ اس نے کئی خطبات میں 'باغ و بہار' کی خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۰ خطوط

حبیب الرحمٰن الصدیقی

پہلی بات : آج کل حال احوال معلوم کرنے کے لیے لوگ ایک دوسرے کو فون کر لیتے یا مواصلات کے دوسرے جدید ترین وسائل کا استعمال کرتے ہیں جیسے ای میل، ایس ایم ایس، واٹس ایپ، فیس بک، وغیرہ۔ اب سے کچھ برسوں پہلے دور دراز مقامات کے لوگ خط و کتابت کے ذریعے اپنے حالات کی خبر ایک دوسرے تک پہنچاتے تھے۔ خط لکھنا انسانی تہذیب کا ایک اہم لازمہ سمجھا جاتا تھا۔ حالات سے باخبری کا یہ ذریعہ خط و کتابت اب ماضی کی چیز بن گیا ہے۔ ڈاک کی سرگرمیاں تجارتی اور رسمی خطوط، رسائل اور اخبارات وغیرہ پہنچانے تک سمٹ گئی ہیں لیکن کبھی کبھی پوسٹ مین کوئی پوسٹ کارڈ، اِن لینڈ لیٹر، ٹکٹ لگا ہوا زرد لفافہ لے آتا ہے جس میں ایک شخص اپنے دوست یا رشتہ دار کو اپنے حالات سے واقف کر رہا ہوتا ہے۔ خط پا کر آج بھی مکتوب الیہ کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ ذیل میں اب سے چالیس پینتالیس برس پہلے لکھے گئے تین خطوط دیے جا رہے ہیں جن میں ایک باپ اپنی بیٹی اور بیٹے کو کچھ اخلاقی باتیں، نصیحتیں اور علمی مسائل سے آگاہ کر رہا ہے۔

مکتوب نگاری : خط لکھنا پیغام رسانی کا اہم ذریعہ رہا ہے۔ یہ انسانی معاشرے کی روزمرہ کی ضرورت میں شامل ہے۔ خطوط میں لکھنے والے کی ضروریات، جذبات و خیالات اور اس کی زندگی کے دیگر مسائل بیان ہوتے ہیں۔ اس سے نہ صرف مکتوب نگار بلکہ مکتوب الیہ کی شخصیت پر بھی ہلکی سی روشنی پڑتی ہے۔ ادبی خطوط کی کوئی مخصوص ساخت اور فنی شرائط مقرر نہیں ہیں۔ خطوط تین اعتبار سے اہمیت رکھتے ہیں: ادبی، سوانحی، تاریخی۔ ادبیت اور انشاپردازی کے سبب مکتوب نگاری کو صنف کی حیثیت حاصل ہوئی۔ خطوط میں لکھنے والے کی شخصیت جھلکتی ہے اور اس کا باطن کھل کر سامنے آتا ہے۔ لیکن اشاعت کی غرض سے لکھے جانے والے خطوط میں حقیقی شخصیت پس پردہ رہ جاتی ہے۔ سوانحی نقطۂ نظر سے وہ خطوط زیادہ اہم ہیں جن میں بے تکلّفی، بے ساختگی اور ذاتی تاثرات کی جھلک ہو۔ تاریخی نقطۂ نظر سے بھی مکتوبات اہمیت رکھتے ہیں۔ مشاہیر کے خطوط میں بعض ایسے اشارے یا تفصیلات ہوتی ہیں جو تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتیں۔ غالبؔ کے خطوط میں ۱۸۵۷ء سے قبل اور بعد کے ایسے واقعات ہیں جن کا سراغ کہیں اور نہیں ملتا۔

جان پہچان : حبیب الرحمٰن الصدیقی میرٹھی ۲۱/ مارچ ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے۔ مشہور شاعر مولوی محمد اسماعیل میرٹھی ان کے ددھیالی رشتہ دار تھے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے نانا سے حاصل کی۔ ان کے بھائی انھیں اپنے ساتھ ناگپور لے آئے تھے۔ حبیب الرحمٰن نے ناگپور اور امراؤتی سے بی اے اور الٰہ آباد یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ وہ پکے مذہبی آدمی تھے۔ ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ موسیقی کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ وہ امراؤتی میں درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ ہیڈ ماسٹر کے عہدے تک ترقی کی۔ ۲۰/ جولائی ۱۹۷۱ء کو امراؤتی میں ان کی وفات ہوئی۔

بیٹے کے نام خط

سہ شنبہ، ۳۰/ مارچ ۱۹۶۵ء

ابھی تمھارا ۲۱/ مارچ کا لفافہ ملا۔ خط اور غزل وصول ہوئے۔ میں نے پوسٹ کارڈ کے بعد ایک اِن لینڈ لیٹر بھی بھیجا تھا۔ اُمید ہے، اب تک مل گیا ہوگا۔ کل پیر کے دن، تمھاری غزل 'جیسے' ردیف کی واپس کی ہے۔ ان خطوں کی رسید سے مطلع کرو۔

ان سب سے پہلے ضروری کام کی بات سنو۔ تنخواہ ملتے ہی...... کو روپیا بھیجو۔ خدا کا شکر ہے مجھے ضرورت نہیں۔ تین چار دن میں

پنشن مل جائے گی۔ بورڈ سے بھی کچھ ملنے کی آس لگائے بیٹھا ہوں۔ خدا نے چاہا تو آج کل ہی میں مالی پریشانیاں دور ہوجائیں گی۔

...........کا سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔ انھیں بھیجو اور خدا کا شکر ادا کرو کہ اپنا کام تمھارے ذریعے سے پورا کر رہا ہے۔

اکولہ یوں نہ جاسکا کہ بورڈ سے کام مل گیا ہے۔ دس بارہ دن اس کو نمٹانے میں لگیں گے۔ اخو سلّمہا ۱۱/اپریل کے پہلے یا دوسرے ہفتے میں آئے گی۔ قرۃ سلّمہا بھی آنے والی ہے، عید ہے۔ اب تمھیں بتاؤ، روزی کے ٹھیکرے کو لات مار کر اور پیاروں کا انتظار چھوڑ کر علاج کرانے اکولہ چلا جاؤں! ضعیف و ناتواں ہوں مگر اتنا بھی نہیں۔

تھک گیا۔ ختم کرتا ہوں۔ سب خطوں کی نام بنام رسید بھیجو۔

سب کو بہت بہت دعائیں۔

حبیب الرحمٰن الصدیقی

بیٹے کے نام خط

شنبہ، ۲۴/اپریل ۱۹۶۵ء

تاریخِ اسلام پر سیّد امیر علی کی کتاب History of the Saracens بہترین ہے۔ بہت متوازن تاریخ ہے۔ کسی گروہ یا شخص کا پروپیگنڈا نہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر براؤن کی 'تاریخ ادبیاتِ ایران' مکمل چار جلدیں انگریزی میں پڑھنا۔ اُردو ترجمہ اچھا نہیں۔ یہ سب پڑھنے کے بعد ڈاکٹر نذیر احمد کی 'اُمہات الامۃ' پڑھنا۔ مگر اس کو شروع کرنے سے پہلے یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا کہ نذیر احمد پکے دیندار مسلمان عالم ہونے کے ساتھ ساتھ دہلی کی مولویانہ اُردو میں حقیقت پسند کردار نگار ناول نویس بھی تھے۔ یہ کتاب میرے پاس ہے۔ نورانی سلّمہا کو پڑھوائی کہ یہ کتاب پڑھو۔ وہ بے چاری گم سم ہو کر رہ گئی۔

تم نے جو لکھا ہے، "ہجرت کے بعد چالیس سال کے اندر ہی اندر (یہاں 'ہی' غیر فصیح ہے۔ روزمرہ ہے صرف اندر یا اندر اندر) کیا کیا فتنے کھڑے ہوگئے تھے" اسلامی تاریخ کے ہر عقیدت مند مسلمان کو یہ شبہات پیدا ہوجاتے ہیں۔ مجازؔ مرحوم نے کہا ہے، "اہلِ سیف اُٹھتے رہے اہلِ کتاب آتے رہے"....الخ۔ خیر، تو یہ شاعرانہ تخیل ہے۔ معقول جواب دینے کی کوشش ابنِ خلدون نے مقدمۂ تاریخ میں اور مارکس نے مادّی جدلیات یا مادّی تعبیر تاریخ میں کی ہے۔ خدا توفیق دے تو یہ پورا نصاب پڑھو۔ مگر تم نے فنِ شعر میں کیا پورا پڑھ ڈالا جو تاریخ پڑھوگے۔

قرۃ سلّمہا آ گئی۔ میرے لیے بڑا پرلطف تحفہ بھیجا ہے۔ رائٹنگ پیڈ ہے۔ کاغذ پر درج ہے ؎

جی غم سے نڈھال ہو نہ جائے ، یا رب ۔۔۔ پھر زیست وبال ہو نہ جائے ، یا رب

ساغر میں نظر آنے لگی اک صورت ۔۔۔ پینا بھی محال ہو نہ جائے ، یا رب

لاجواب رباعی ہے! اُردو فارسی میں یہ مضمون کہیں نظر نہیں آیا۔ یہ ہے حقیقت پسندانہ مضمون آفرینی۔

تم انھیں مفصل خط لکھو۔ اس رباعی کی داد دو۔

ابھی تمھارے لیے اور مہینے ڈیڑھ مہینے کا انتظار دیکھنا ہے۔ خیر، یوں ہی سہی۔ جب تم آنے کو ہوگے تو لکھوں گا کہ میرے واسطے کیا کیا لاؤ۔ ابھی لکھا تو بھول جاؤ گے۔

فقط

حبیب الرحمٰن الصدیقی

بیٹی کے نام خط

صوبیدار ہاؤس، امراوتی کیمپ
شنبہ، ۱۷راگست ۱۹۶۸ء

پیاری بیٹی نورانی سلّمہا، بہت بہت دعائیں!

تمھارا ۱۲راگست کا اِن لینڈ لیٹر اور تیرہ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے یہ خط بہت ہی شکستہ خاطر ہوکر، نہایت افسردگی کے عالم میں لکھا ہے۔ اسے پڑھ کر مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ رات بھر اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہا۔ تم نے اپنی تمام پریشانیاں اس خط میں جمع کردی ہیں۔ یقیناً تمھارا معاملہ بہت اچھا ہوا ہے۔ سب سے بڑی مشکل تو یہ ہے کہ تنخواہ الجھیڑے میں پڑ گئی ہے۔ دعا کرو، مشکل کُشا بے انتہا قوی ہے...'یا حی یا قیوم' چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے پڑھتی رہو۔ تمھاری تشفّی کے لیے کلامِ پاک کی پوری آیت کا ترجمہ جس میں "اُدْعُونِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ" ہے، لکھتا ہوں۔" اور (لوگو) تمھارا پروردگار فرماتا ہے کہ مجھ سے دعا مانگتے رہو، میں تمھاری (دعا) قبول کروں گا... جو لوگ (مارے غرور کے) ہماری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں عن قریب (مرے پیچھے ذلیل) خوار ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔" (سورۂ مومن: آیت ۶۰)

اللہ تمھاری مشکل آسان فرمائے۔ تمھیں توانائی وتندرستی، کامیابیاں اور عزّت وآبرو عطا فرمائے۔

ابھی تمھارا خط عطا میاں سلّمہٗ کے نام دیکھا۔ بڑی بھولی ہو۔ اسے طالب علمی سکھا رہی ہو۔ صبح کا گیا ہوا ہے۔ اب دو بج رہے ہیں، اب تک تو آیا نہیں۔ کالج میں الیکشن ہیں، تین چار دن سے دن رات اس خبط میں مبتلا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کے دو رفقائے کار یہ اطلاع دینے آئے تھے کہ عطا میاں کلاس سے چن کر آ گیا ہے۔ اب تقریری قابلیت کا مقابلہ ہے۔ ابھی ذکاء سلّمہٗ کا بھی خط آیا ہے۔ مجھے بڑی تاکید سے رام پور بلایا ہے۔ گھر کا حال اور ان باتوں پر پھر کبھی لکھوں گا۔ صبح چائے پی کر لکھنے بیٹھا تھا۔

سب کو دعائیں!

حبیب الرحمٰن الصدیقی

معانی واشارات

سہ شنبہ	-	منگل
مطلع	-	باخبر
سلّمہا	-	اس پر سلامتی ہو (مؤنث کے لیے)
لات مارنا	-	ٹھکرا دینا
پروپیگنڈا	-	تشہیر، تبلیغ
الخ	-	مراد آخر تک (عربی فقرہ اِلیٰ آخرِہٖ کا مخفف)
شنبہ	-	سنیچر
شکستہ خاطر ہوکر	-	مایوس ہوکر
غلطاں و پیچاں	-	پریشان
اُلجھیڑے میں پڑنا	-	پریشانی میں آنا
تشفّی	-	تسلی
سلّمہٗ	-	اس پر سلامتی ہو (مذکر کے لیے)
خبط	-	غلط سوچ، فکر کی گڑبڑ
رفقائے کار	-	کام کے ساتھی
چن کر آنا	-	الیکشن میں جیت جانا

مشق

* درج ذیل کے لیے ایک لفظ لکھیے۔

ا۔ خط لکھنے والا

۲۔ جسے خط لکھا جائے

۳۔ خط لکھنا

* خطوط کی قسم کے لحاظ سے مناسب لفظ لکھیے۔

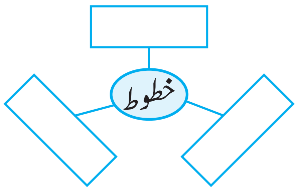

* درج ذیل الفاظ کو ایک جملے میں واضح کیجیے۔

ا۔ خط

۲۔ ای میل

۳۔ ایس ایم ایس

۴۔ واٹس ایپ

خط نمبر ا

* خط کی روشنی میں غلط بیان کی نشان دہی کیجیے۔

ا۔ بیٹے کو شاعری کا شوق تھا۔

۲۔ سبکدوشی کے بعد بورڈ کا کام کرتے رہتے تھے۔

۳۔ بیماری کی وجہ سے اکولہ نہ جاسکا۔

۴۔ پنشن کی وجہ سے مالی پریشانیاں دور ہوجاتی ہیں۔

* درج ذیل لفظوں کو ایک ایک جملے میں واضح کیجیے۔

ا۔ الیکشن

۲۔ تنخواہ

۳۔ پنشن

۴۔ بورڈ

* پہلے خط کا موضوع لکھیے۔

* خط کے تین اہم حصوں کی نشان دہی کیجیے۔

خط نمبر۲

* مناسب جوڑیاں لگائیے۔

	مصنف	کتاب
ا۔	سیّد امیر علی	اُمہات الامّہ
۲۔	ڈاکٹر براؤن	History of the Saracens
۳۔	ڈاکٹر نذیر احمد	تاریخ ادبیاتِ ایران

خط نمبر۳

* خط کشیدہ لفظ اس طرح کے الفاظ سے تبدیل کیجیے کہ مفہوم تبدیل نہ ہو۔

ا۔ تم نے یہ خط بہت ہی شکستہ خاطر ہوکر لکھا ہے۔

۲۔ رات بھر اسی خیال میں غلطاں وپیچاں رہا۔

۳۔ تین چار دن سے دن رات اسی خبط میں مبتلا ہے۔

۴۔ بڑی مشکل تو یہ ہے کہ تنخواہ الجھیڑے میں پڑگئی ہے۔

* تیسرے خط سے نصیحت آمیز دو جملے لکھیے۔

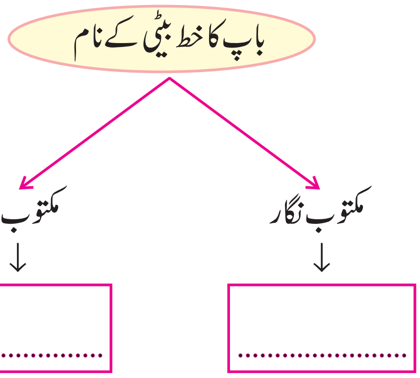

* ”مشکل کُشا بے انتہا قوی ہے۔“ خط کی روشنی میں جملے کی وضاحت کیجیے۔

انٹرنیٹ کی دنیا سے

- www.urdubookdownload.wordpress.com
- www.abulhasanalinadwi.org
- www.ijunoon.net
- www.learningurdu.com

حصّۂ نظم

انسان عام گفتگو اور تحریر میں جو زبان استعمال کرتا ہے وہ نثر کہلاتی ہے۔ نظم ادبی اظہار کی زبان کے استعمال کی ایک صورت اور شاعری کی ایک قسم ہے۔ نظم مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے جنھیں نظم کی ہیئت کہا جاتا ہے۔ ہیئت نظم میں مصرعوں کی تعداد اور قافیوں کی ترتیب سے اپنی پہچان بناتی ہے۔ نظم کی واضح پہچان یہ بھی ہے کہ اس کا ایک عنوان ہوتا ہے جیسے اس حصے کی نظمیں حمد، ایکتا کی آواز، میرا سفر وغیرہ۔ بعض نظمیں اپنے موضوعات سے بھی پہچانی جاتی ہیں جیسے غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی وغیرہ جن کے بارے میں آپ پڑھیں گے۔

۱ حمد

جگن ناتھ آزاد

پہلی بات : ہم اپنے سروں پر اونچا آسمان اور اس میں چمکتے ہوئے سورج، چاند، ستارے دیکھتے ہیں۔ انھیں کس نے بنایا ہے؟ دن رات بدلتے ہیں۔ گرمی، سردی اور بارش کے موسم آتے جاتے ہیں۔ زمانے کے ان موسموں کو کون بدلتا ہے؟ پھولوں کی مہک اور پھلوں کی مٹھاس کا ہم مزہ لیتے ہیں۔ پھولوں میں مہک اور پھلوں میں شیرینی کون پیدا کرتا ہے؟ پھولوں پر منڈلاتی تتلیاں ہمیں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ ان کے پروں میں رنگ کون بھرتا ہے؟ زمین پر بڑے بڑے پہاڑ کس نے بنائے ہیں؟ دریاؤں میں آبِ رواں، آسمان سے برستی بارش اور سمندروں میں ہزاروں میل پھیلا ہوا پانی کس نے بنایا؟ یہ سارے کام انسان کے بس کے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو پیدا کیا ہے اس لیے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہی تعریف حمد کہلاتی ہے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی ذات پر یقین پختہ ہوجاتا ہے۔ کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار اشیا کو دیکھ کر آدمی حیران ہوتا ہے اور اسی حیرانی میں بے ساختہ اس کی زبان اللہ کی تعریف کرنے لگتی ہے۔ ذیل کی حمد میں شاعر حیرانی کے ساتھ قدرت کی نشانیوں میں خدا کے جلوؤں کو دیکھ رہا ہے۔

جان پہچان : جگن ناتھ آزاد دسمبر ۱۹۱۸ء میں غیر منقسم پنجاب کے شہر عیسیٰ خیل میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد تلوک چند محروم اُردو کے مشہور شاعر تھے۔ جگن ناتھ آزاد نے فارسی ادب میں ایم۔اے کرنے کے بعد صحافی کی حیثیت سے اپنی خدمات کا آغاز کیا۔ تقسیم ہند کے بعد وہ ہندوستان چلے آئے اور ماہنامہ 'آجکل' کے نائب مدیر مقرر ہوئے۔ سرکاری ملازمت سے سبکدوشی کے بعد جموں یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کے صدر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان کے تقریباً ۱۵؍شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں 'بیکراں'، 'وطن میں اجنبی' اور 'ستاروں سے آگے' مشہور ہیں۔ علامہ اقبال کی حیات و خدمات پر تحقیقی اور تنقیدی کاموں کی وجہ سے آزاد کو اقبالیات کے ماہرین میں شمار کیا جاتا ہے۔ 'اقبال اور مغربی فلسفہ' ان کی اہم کتاب ہے۔ ۲۴؍جولائی ۲۰۰۴ء کو جموں میں ان کا انتقال ہوا۔

رنگ و بو تک تجھے دیکھوں کہ خزاں تک دیکھوں
میں ترا حسن جو دیکھوں تو کہاں تک دیکھوں

اپنے ماحول میں دیکھوں کہ ستاروں سے اُدھر
تو ہی تو مجھ کو نظر آئے جہاں تک دیکھوں

موجِ دریا کی قسم ، بادِ بہاراں کی قسم — تیری رفتار کو اب اور کہاں تک دیکھوں
آج تک تجھ کو جو دیکھا تو یقیں تک دیکھا — اب تمنا ہے کہ میں تجھ کو گماں تک دیکھوں
صبح کا نور ، شفق شام کی ، ظلمت شب کی — میں ترے حسن کے سو رنگ کہاں تک دیکھوں
دل کی دنیا میں تو مَیں تجھ کو بہت ڈھونڈ چکا — اب ترا حکم جہاں تک ہو وہاں تک دیکھوں

کیوں نہ قربانِ تصوّر ہوں میں آزادؔ کہ آج
نور ہی نور نظر آئے جہاں تک دیکھوں

خلاصہ : اس نظم میں شاعر نے خدا کی تعریف کرتے ہوئے کائنات میں بکھری ہوئی اس کی نشانیوں پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔ خدا کی قدرت صرف رنگوں اور نکہتوں کے موسم بہار ہی میں نمایاں نہیں ہے بلکہ خزاں میں بھی خدا کی کاریگری جلوہ گر ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ خدا کا حسن اس کے آس پاس کے ماحول میں بھی ہے اور ستاروں سے آگے بھی ہے۔ شاعر کو ہر جگہ خدا کی قدرت اور حسن کا جلوہ نظر آتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے خدا! میں تجھے کہاں کہاں دیکھوں! دریاؤں کی موجیں، بہار کے موسم کی فرحت بخش ہوائیں، صبح کی روشنی، رات کا اندھیرا، شام میں نظر آنے والے شفق کے دلکش نظارے گویا تیرا حسن ہر رنگ میں بکھرا ہوا ہے۔ شاعر نے خدا کو اپنے یقین کے مطابق دیکھا ہے اور وہ چاہتا ہے اب اسے گماں تک دیکھے یعنی اس کی قدرت اور حکمت تو انسان کے گمان سے باہر ہے۔ گویا شاعر خدا کو اس کی عظمت کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے۔ شاعر نے خدا کو اپنے دل کی دنیا میں دیکھا لیکن اب وہ اسے وہاں تک دیکھنا چاہتا ہے جہاں تک خدا کا حکم چلتا ہے اور خدا کا حکم کائنات کے ہر ذرّے پر چلتا ہے۔ شاعر خدا کی عظمت کے اس تصوّر پر قربان ہو جانا چاہتا ہے جس کے سبب اسے کائنات کے ہر ذرّے میں خدا کی کاریگری اور حسن دِکھائی دیتا ہے۔

معانی و اشارات

- **اقبالیات** – علامہ اقبال کے کلام کی افہام وتفہیم
- **رنگ و بو** – مراد بہار کا موسم
- **بادِ بہاراں** – موسمِ بہار کی ہوا
- **یقیں تک دیکھا** – مراد کائنات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کیا
- **گماں تک دیکھوں** – شاعر چاہتا ہے کہ اپنے فکر و خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کرے
- **حسن کے سو رنگ** – اللہ کی قدرت کے جلوے
- **دل کی دنیا** – مراد فکر، خیال، جذبہ، احساس

مشق

* ’جان پہچان‘ کی مدد سے ویب خاکہ مکمل کیجیے۔

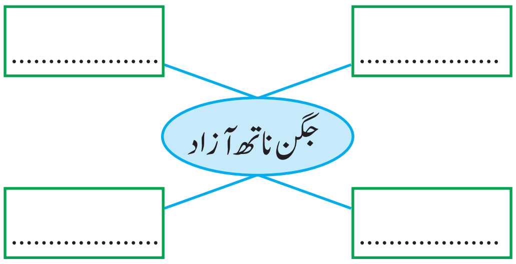

۱۔ حمد کی تعریف لکھیے۔
۲۔ اپنے ماحول اور ستاروں سے ادھر خدا کی جلوہ نمائی کی کیفیت بیان کیجیے۔
۳۔ دریا کی موجوں اور بہار کی ہواؤں میں موجود نشانیوں کو واضح کیجیے۔

۴۔ حمد کے حوالے سے خدا کے حسن کے سو رنگ پر روشنی ڈالیے۔

✳ حمد کے ایسے اشعار تلاش کیجیے جن سے ذیل کے مفہوم ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۔ خدا کی قدرت رنگوں اور نکہتوں کے موسم بہار ہی میں نمایاں نہیں ہے بلکہ خزاں میں بھی خدا کی کاریگری جلوہ گر ہے

۲۔ شاعر خدا کی عظمت کے اس تصور پر قربان ہوجانا چاہتا ہے جس کے سبب اسے کائنات کے ہر ذرّے میں خدا کی کاریگری اور حسن دِکھائی دیتا ہے۔

✳ حمد سے 'صنعتِ تضاد' کا شعر لکھیے۔

✳ اس حمد میں رنگ و بو اور خزاں جیسی متضاد کیفیات کا ذکر ہوا ہے۔ آپ ان تمام کو اپنی بیاض میں جدول بنا کر لکھیے۔ جیسے صبح × شام

✳ موجِ دریا کی قسم ، بادِ بہاراں کی قسم
تری رفتار کو اب اور کہاں تک دیکھوں

اس شعر میں دریا کی موج کے لیے 'موجِ دریا' اور بہار کی ہوا کو 'بادِ بہار' لکھا گیا ہے۔ اسے قواعد میں لفظی ترکیب کہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل الفاظ کو لفظی ترکیبوں میں تبدیل کیجیے۔

صبح کا نور، شام کی شفق ، شب کی ظلمت ، دریا کی روانی ، تصوّر کے قربان

✳ درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے :

۱۔ آج تک تجھ کو جو دیکھا تو یقیں تک دیکھا
اب تمنا ہے کہ میں تجھ کو گماں تک دیکھوں

۲۔ دل کی دنیا میں تو مَیں تجھ کو بہت ڈھونڈ چکا
اب ترا حکم جہاں تک ہو وہاں تک دیکھوں

✳ اس نظم کو تمام طلبہ مل کر ترنم سے پڑھیں۔

✳ اُردو کے پانچ نظم نگاروں کی پانچ پانچ مشہور نظموں کے عنوانات لکھیے۔

✳ ذیل میں میر حسن کی مثنوی کے مختلف اشعار دیے گئے ہیں۔ ان میں ہر شعر حمد، مناجات، نعت اور منقبت جیسی شعری صنف سے تعلق رکھتا ہے۔ ان اشعار کو بغور پڑھ کر ان کے آگے صنف کا نام لکھیے۔

۱۔ الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں
گناہوں میں اپنے گراں بار ہوں
مجھے بخشیو میرے پروردگار ....
کہ تو ہے کریم اور آمرزگار

۲۔ نبیؐ و علیؓ ، فاطمہؓ اور حسنؓ
حسینؓ ابنِ حیدرؓ یہ ہیں پنجتن
ہوا یاں سے ظاہر کمالِ رسولؐ ....
کہ بہتر ہوئی سب سے آلِ رسولؐ

۳۔ نبی کون یعنی رسولِ کریمؐ
نبوت کے دریا کا دُرِ یتیم
کیا حق نے نبیوں کا سردار اسے ....
بنایا نبوت کا حق دار اسے

۴۔ وہی مالک الملک دنیا و دیں
ہے قبضے میں اس کے زماں وزمیں
وہ معبودِ یکتا خدائے جہاں ....
کہ جس نے کیا کُن میں کون ومکاں

انٹرنیٹ کی دنیا سے

- www.lexilogos.com
- www.takhliqat.com
- www.iqbalcyberlibrary.net
- www.deedahwar.net
- www.urdufun.com
- www.poshmaal.com
- www.pirzadaqasim.4t.com